جملہ حقوق غیر محفوظ

نام کتاب	:	ہم میں صبر کیوں نہیں؟
مصنف	:	مولانا غیاث احمد رشادی
صفحات	:	......۵۰......
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	محمد مجاہد خان رشادی کمپیوٹر سنٹر، واحد نگر، قدیم ملک پیٹ حیدرآباد
قیمت	:	Rs.10/-
ناشر	:	مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اسوسی ایشن، جسٹرڈ ۔۶۷۵

واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد۔ الہند۔ فون: 24551314

ویب سائٹ: www.rashadibooks.com

ای میل: rashadibooks@reddif.com

ملنے کے پتے

۱) مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ ۶۷۵
واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد، انڈیا۔ فون: 24551314

۲) ھدیٰ دستی بیوٹرس، پرانی حویلی روڈ، حیدرآباد

۳) حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد

۴) کمرشیل بک ڈپو، چار مینار، حیدرآباد

۵) ہندوستان پیپر ایمپو ریم، مچھلی کمان، حیدرآباد

۶) رشادی بک ڈپو، مسجد باگ سوار، میجسٹک، بنگلور

۷) مولانا شکیل احمد رشادی بنگلوری، مدرسہ کاشف الھدیٰ، نومبل، چینائی

۸) فرید بک ڈپو، نئی دہلی، ممبئی، مدراس

۹) ہمالیہ بک ورلڈ، ناملی روڈ، مہدی پٹنم، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولین

اس دنیا میں آرام اور تکلیف کا نظام دنیا کے ہر انسان سے متعلق ہے، اس میں کوئی قوم، کوئی طبقہ، کوئی فرد مستثنیٰ نہیں، فرق صرف آرام وراحت کی نوعیت اور تکلیف و مشقت کی شکل میں ہے کسی کو اعلی درجہ کی راحت نصیب ہے، کسی کو اوسط درجہ کی راحت اور کسی کو ادنی درجہ کی راحت ہے، اسی طرح کوئی شدید ترین تکلیف سے دوچار ہے، کوئی شدید تکلیف میں مبتلا ہے اور کوئی معمولی قسم کی تکلیف میں گھرا ہوا ہے۔

آرام اور تکلیف انسان کی زندگی کا جزوِ لاینفک ہیں، کافر بھی مبتلائے تکلیف ہے مسلمان بھی، اللہ کا دوست بھی تکلیف کا شکار ہے اللہ کا دشمن بھی، کافر بھی آرام وراحت میں ہے اور دوست بھی، دشمنِ خدا بھی آرام وراحت میں ہے اللہ کا ولی بھی، مگر دونوں کی تکلیف اور دونوں کی راحت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ کافر راحت میں بھی نتیجہ کے اعتبار سے نقصان میں ہے اس لئے کہ اس کا کفر اس راحت کی ناشکری کر رہا ہے، اور کافر تکلیف میں بھی نتیجہ کے اعتبار سے نقصان میں ہے اس لئے کہ اس کا کفر مصیبت میں شکوہ شکایت کرتے ہوئے واویلا مچا رہا ہے۔

مومن ومسلمان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ ہر حال میں بھلائی میں ہوتا ہے، اس مقام پر پہنچ کر نبی رحمت ﷺ کی وہ حدیث یاد آتی ہے جس کو امام مسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

عن صهيب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ عجبالا مر المومن ان امره كله له خير وليس ذلك لاحد الا للمومن ان اصابته سراء شكر فكان خيرا له وان

اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا لہ . حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسکے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی ، راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

نبی رحمت ﷺ کا یہ پیغام ایک طرف ان مغرور و گھمنڈی لوگوں کیلئے بھی درس و نصیحت ہے جو نعمتوں پر مسرور ہونے کے بجائے مغرور ہوجاتے ہیں، جو راحتوں کے ملنے پر شکر کرنے کے بجائے ناشکری کرنے لگتے ہیں، جو آرام کی سیڑھیوں پر پہنچ کر آرام دینے والے رب کی تعریف کرنے اور اس کی تسبیح کرنے کے بجائے اس کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے لگ جاتے ہیں اور عیش و عشرت کی دنیا میں کھوجاتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ پیغام دوسری طرف ان مایوس یا افسردہ اور نا امید لوگوں کیلئے بھی امید کا چراغ ہے جس کی روشنی کے ذریعہ وہ ناامیدی کے اندھیرے سے نکل کر امید و یقین کی روشنی کی طرف آسکتے ہیں اور صبر کے دامن کو تھام کر اپنے پروردگار کی طرف سے اجر و ثواب کا ذخیرہ حاصل کرنے لگتے ہیں، قرآن مجید میں سو سے زائد آیتیں صبر سے متعلق ہیں جبکہ تقریباً ستر آیتیں شکر سے متعلق ہیں۔

میں اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے مجھ ناکارۂ علم و عمل کو قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں چند کتابیں لکھنے کی توفیق بخشی، میں اس امید کے ساتھ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ اپنی دی ہوئی ان نعمتوں میں اور اضافہ فرمائے گا اور قول فیصل لئن شکرتم لازیدنکم کا مظاہرہ ہوجائے گا۔

غیاث احمد رشادی

جمادی الاول ۱۴۲۳ھ

صبر اور نماز سے مدد

انسان کا بھی عجیب حال ہے کہ جب مصیبت میں پڑ جا تا ہے اور اس وقت اس کے چاہنے والے،عقیدت مند وقت پر مدد کرنے والے ہوتے ہیں تو اس کی نگاہ صرف انہی لوگوں پر مرکوز رہتی ہے وہ مطمئن رہتا ہے نکہ مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، فلاں میرا حامی ہے، فلاں میرا دوست ہے،فلاں میرا مدد گار ہے،ایسے وقت عموماً انسان کی نگاہ جس پر پڑنی چاہیے اس پر نہیں پڑتی وہ انہی لوگوں میں گم ہو جا تا ہے اور جب انسان مصیبت میں پڑ جاتا ہے اور اس مصیبت سے نکلنا آسان نہیں ہوتا اور ایسے وقت اسکا کوئی حامی، مددگار، دوست، جاں نثار، ہمدرد، اور وقت پر کام آنے والا نہیں ہوتا تو اس کی نگاہ اب اللہ تعالیٰ پر جانے لگتی ہے اور یوں کہتا ہے اب اللہ ہی مالک ہے،سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اسی وقت مالک ہیں جبکہ کوئی دوسرا یار ومددگار نہ ہو،اور اس وقت میں وہ مالک نہیں ہے جب کہ ہر ایک مدد کے لئے تیار ہو؟ ایسی صورت میں تو اس کا ایمان خطرہ سے خالی نہ رہے گا۔

جب سب ہوں تو سب پر نگاہ اور جب کوئی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر نگاہ،اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ویٹنگ لسٹ (Waiting List) میں ہیں ،ایک مومن کی نگاہ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی اسی پروردگار پر جانی چاہیے، آدمی صرف مصائب میں آزمایا نہیں جاتا بلکہ وہ نعمتوں میں بھی آزمایا جاتا ہے، تمہیدی طور پر یہ بات ذہن میں آگئی ورنہ اس موضوع سے ہمارا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں سے مدد لینے کا حکم دیا ہے وہ دو چیزیں یہ ہیں نماز اور صبر، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۴۵ میں یوں فرمایا گیا، واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانها لکبیرۃ الاعلی الخٰشعین نماز اور صبر، سے مدد حاصل کرو، بے شک وہ نماز دشوار ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۳ میں یوں فرمایا گیا، یایها الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللّٰہ مع الصّٰبرین، اے ایمان والو! مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، قابل غور مقام یہ ہے کہ

ان دونوں آیتوں میں صبر کو نماز سے پہلے ذکر کیا گیا، مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ نماز بھی بغیر صبر کے ناقص رہتی ہے، اگر نماز کو کامل بنانا ہو تو پہلے صبر کرنا پڑے گا، اس لئے کہ صبر نفسانی خواہشات کی خلاف ورزی کرنے کو بھی کہتے ہیں، نماز کی حالت میں جی چاہتا ہے کہ کھائیں، اب آدمی صبر کر رہا ہے، ہر کام سے بچ رہا ہے جس کام کے کرنے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔

قرآن مجید نے ایسے دو نسخے انسانوں کو دیئے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی تمام تر دنیوی اور اخروی ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے اور تمام آفتوں، مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات پاسکتا ہے بشرطیکہ دل میں یقین کامل ہو، جب بھی کوئی ناگہانی صورت پیش آ گئی، غم والم کی لہر دوڑ گئی، کوئی اہم بات پیش آ گئی، کوئی اہم ضرورت پیش آ گئی یہ طئے کرلے کہ میں اس پر صبر کروں گا اور اس صبر کے ساتھ اللہ کے دربار میں کھڑا ہو جائے، پنج وقتہ نمازوں کی عادت کے ساتھ ساتھ دو چار رکعت اپنی ضروریات کی تکمیل اور مصائب سے نجات کیلئے بھی پڑھ لے اور گڑگڑا کر اپنے پروردگار سے اپنے مسائل بیان کرے، اللہ تعالیٰ نے جب خود ان دونوں چیزوں کو اختیار کرتے ہوئے مدد طلب کرنیکا حکم دیا ہے تو کیا وہ اپنے بندے کو مایوس ہو نا امید کردینگے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر بھاری اور غالب ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے موقعوں پر نماز اور صبر کے ذریعہ سہارا حاصل کرنے کی توفیق بخشے ۔

صبر کے تین شعبے ہیں

عموماً لوگ صبر کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی مصیبت آجائے تو بجائے واویلا مچانے اور رونے کے خاموش رہ جائیں، بے شک یہ بھی صبر میں داخل ہے، مگر صبر صرف اسی کا نام نہیں ہے بلکہ صبر اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے، ابن کثیرؒ نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ صبر کے تین شعبے ہیں، ایک اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا، دوسرے

طاعات وعبادات کی پابندی پر اپنے نفس کو مجبور کرنا، تیسرے مصائب وآفات پر صبر کرنا یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے ثواب کا امیدوار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف و پریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے خلاف ہے۔ (معارف القرآن، جلد اول ص ۳۳۸)

اگر بندۂ مومن حرام اور ناجائز کاموں سے پرہیز کرتا ہے، نفس کے بار بار ان کاموں کی طرف راغب کرنے کے باوجود برداشت کرتا ہے اور نفس کے خلاف قدم اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنے میں جتنی مشقتیں، دشواریاں، تکلیفیں اور خلاف طبیعت باتیں پیش آتی ہیں ان سب کو برداشت کرتا ہے اور جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اس کے بارے میں دل میں یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس پر مجھے ثواب ملے گا، میں اس مصیبت کو برداشت کرونگا تو ایسا بندۂ مومن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہوں میں صابر بندہ کہلائے گا۔

صابرین کے ساتھ کون ہے؟

ناگفتہ بہ حالات وحوادث کی وجہ سے دلوں میں پیدا ہونے والے رنج والم کو دور کرنے کیلئے جہاں نماز کو قائم رکھنے اور صبر کرنیکا حکم دیا گیا ہے وہیں رب کریم نے اپنے محبوب صابر بندوں کو اس بات کی خوشخبری بھی دے دی ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں صبر کا جذبہ موجود ہے تو ہم تمہارے ساتھ ساتھ ہیں، مادیت پر یقین اور تکیہ کرنے والی مادہ پرست قوم کو مادی چیزوں پر بھروسہ اور اعتماد ہوتا ہے اور وہ ان مادی قوتوں ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں، اگر کوئی ظاہری طاقتور مادی چیز ان مادہ پرستوں کی تائید وحمایت اور مدد میں ہو تو پھر وہ اس یقین سے جیتے ہیں کہ کامیابی انہی کے ہاتھ میں ہے، حالانکہ بعض مرتبہ ان مادی چیزوں کی حمایت ومدد کے باوجود آدمی نقصان اور ناکامی کا چہرہ دیکھتا ہے، اگر کوئی بڑی کمپنی کسی تاجر سے یہ کہتی ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو وہ تاجر اس کمپنی کی حوصلہ افزائی کی بنیاد پر بڑے بڑے کاروبار

کرنے لگتا ہے اس کی ہمت بلند اور اس کا حوصلہ اونچا ہونے لگتا ہے۔

آیئے! ہم ایک مادہ پرست انسان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ روحانی قوت و طاقت کی بنیاد پر جینے والے بندے ہونے کی حیثیت سے اس آیت سے کچھ ابدی و دائمی حوصلہ حاصل کریں کہ زمین وآسمان کا خالق و مالک جسکے ہاتھ میں نفع اور نقصان، کامیابی وناکامی، صحت وبیماری، بھلائی وبرائی سب کچھ ہے اس کے اس قول عظیم پرغور کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے صابر بندوں کو اس جملہ سے یہ حوصلہ دے رہے ہیں کہ ان اللّٰہ مع الصابرین (البقرہ: ۱۵۳) کہ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہیں۔ مومن ومسلمان بندوں کو چاہیئے کہ وہ مصائب وحوادث کی گھڑیوں میں اپنی کمزوری پر نظر نہ رکھیں بلکہ اس آیت پر غور کرتے رہیں کہ اس دنیا میں ان مصائب کا مقابلہ کرنے میں میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میرے ساتھ میرا وہ رب بھی ہے جو عزیز وغالب ہے جس کے ہاتھ میں ہر قسم کے فیصلہ کی قوت و طاقت ہے۔

بے صبری نے بنی اسرائیل کو ذلیل کردیا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امت محمدیہ کے سامنے بنی اسرائیل کی زندگی کے احوال بڑی تفصیل کے ساتھ رکھے ہیں، شاید ہی کسی قوم کا تذکرہ قرآن مجید میں اس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہو جس قدر کہ بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے، بنی اسرائیل کی ساری تاریخ قرآن نے بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو لاتعداد نعمتیں عطا کیں، فرعون کی غلامی سے آزاد کیا، سمندر میں نجات کیلئے راستے بنادیئے، دشمنوں سے نجات عطا کی، چٹان سے بارہ چشمے پانی کے پھوٹ پڑے، بادل سائبان بن کر قائم رہا، من وسلوی عطا کیا گیا وغیرہ وغیرہ، بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کی ناقدری کی، ان کو چاہیے تھا کہ ان کے پروردگار نے جو کچھ انہیں دیا، اس پر شکر کرتے اور انہی نعمتوں میں رہ کر عبادت خداوندی اور اطاعت موسیٰ علیہ السلام میں مصروف رہتے مگر اس شریر قوم نے صاف طور پر کہا کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز

صبر نہیں کریں گے، اے موسیٰ! آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لئے زمین سے ترکاری، ککڑی، گیہوں مسور اور پیاز پیدا کرے، اگر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی موجودہ نعمتوں پر صبر کر لیتے تو آسمان سے من وسلویٰ کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا لیکن اس قوم نے بے صبری کا مظاہرہ کیا بے صبری کا نتیجہ کیا ہوا **وضربت علیهم الذلة والمسکنة وباء وابغضب من اللّٰه** (۶۱/البقرہ) جم گئی ان پر ذلت اور پستی اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے، بنی اسرائیل کی یہ ذلت ورسوائی اور اللہ کے غضب کا شکار ہو جانا امت محمدیہ کے ہر فرد کے لئے تازیانہء عبرت ہے کہ وہ رب ذوالجلال کے غضب سے بچنے اور دنیا اور آخرت کی ذلت وپستی سے دور رہنے کیلئے اس بات کا عزم کرلے کہ جن نعمتوں میں اس کو اس کے رب نے رکھا ہے ان نعمتوں پر شکر کرتا رہے گا اور وقتی حالات ومصائب اور قدرت کے فیصلوں پر صبر کرتا رہے گا، قدرت نے چاہا تو اس کے صبر کا پھل بہت جلد اس کو ملے گا اور حالات میں انقلاب آجائے گا، سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ نصیحت بھی موجود ہے جو بنی اسرائیل کو کی گئی تھی **قال موسیٰ لقومه استعینوا باللّٰه واصبروا ان الارض للّٰه یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھو اور صبر کرو یہ زمین اللہ کی ہے جسکو چاہیں مالک اور حاکم بنا دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ دشمن پر غالب آنے اور نجات پانے کا حکیمانہ نسخہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دیا تھا مگر اس قوم نے اس قیمتی نسخہ کی قدر نہ کی، اُمت محمدیہ کو چاہئے کہ جس مقصد کے تحت یہ نصیحت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اس مقصد کی تکمیل کیلئے زندگی کے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کریں اور جو حالات بھی درپیش ہوں۔ یہ سمجھ کر صبر کرتے رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے وہی ان حالات کو بدلنے کی قوت رکھتا ہے مقاصد میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ محنت وکوشش کی جائے، خلاف طبع وعادت باتوں کو برداشت کیا جائے، اس دنیا کو کوئی جنت بنا نہیں سکتا کہ ہر چیز اس کی طبیعت اور عادت کے موافق ہی ہو

جائے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی ۔(ابوداود)

سختی اور تکلیف میں صبر کرنا کمال

جب نبی رحمت ﷺ کو بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور قبلہ کی تحویل عمل میں آئی تو یہود و نصاری نے بڑا شور برپا کیا اور طرح طرح کے اعتراضات کئے' قرآن مجید نے ایک خاص انداز میں اس شور شرابے کو اور اعتراضات کے طوفان کو ختم کر دیا کہ مشرق و مغرب یا کسی اور خاص جہت کی طرف رخ کرنا اصل کمال نہیں ہے اصل کمال یہ ہیکہ آدمی حکم کا بندہ بن جائے' اس طرح اس یہود و نصاری کے طوفان کو دبا دیا گیا اور اس ضمن میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکة والکتب والنبیین واٰتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلٰوة واٰتی الزکوة والموفون بعهدهم اذا عهدوا والصّٰبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک هم المتقون (۱۷۷/البقرہ) اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور وہ شخص مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں اپنے حاجتمند رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسافروں کو، اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں، اور وہ شخص نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں، اور وہ لوگ تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

اس آیت میں جہاں دین کے تمام شعبوں کے اہم اور بنیادی اصول بتلا دیئے گئے ہیں وہیں سختی اور تکلیف کی گھڑیوں میں صبر کرنے کو بھی اصل کمال قرار دیا گیا ہے، ان تمام بنیادی

چیزوں (ایمان، نماز، زکوۃ، صدقات، وفائے عہد) میں صبر کو بھی شامل کیا گیا اور اس طرف اِشارہ کیا گیا کہ ان تمام اعمال کے ادا کرتے ہوئے صبر کا دامن نہیں چھوڑا جائے گا' اس لئے کہ صبر ایک ایسی قوت و طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ ہم کام بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں، اس مضمون کا خلاصہ یہی ہے کہ مصائب کی سنگین گھڑیوں' حوادثات کے ہولناک لمحوں اور سختیوں کے ماحول میں مومن و مسلمان کا شیوہ یہ ہوگا کہ وہ صبر کرتے ہوئے اپنے دین وایمان اور اعمال واخلاق پر قائم رہے گا۔

صابر کا ایمان اکمل ہوتا ہے

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں حضرت داود علیہ السلام کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے، پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں، اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا خوب پٹے کٹے، پہلے تو توراۃ کی موجودگی، تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آئی تھی، ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے خدا کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے سے ختم ہوئی، لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آرہی تھی وہ سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے، ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی، ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے انہیں امید تھی کہ خدا اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے، خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو خدا نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ خدا نے میری دعا قبول فرمائی نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی جب آپ نے دعوت حق دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر فرما دیجیے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا

کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم جہاد سے جی نہ چراؤ قوم نے جواب دیا کہ حضرت! ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے، ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اب ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں اس کے بعد جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے مٹھی بھر لوگوں کے باقی سب نے منہ موڑا ان سے یہ کوئی نئ بات نہ تھی جس کا خدا کو علم نہ ہوا ہو، مطلب یہ ہوا کہ جب بادشاہ بنا دینے کی خواہش انہوں نے اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم خداوندی حضرت طالوت کو پیش کیا جوان کے حاندان سے نہ تھے بلکہ ایک لشکری تھے شاہی خاندان یہودا کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں، پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے، بہر حال جب انہوں نے طالوت کی حکومت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے، حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد (۸۰) اسی ہزار تھی راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اس کا نام نہر الشریعہ تھا طالوت نے انھیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پیئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں، لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنھوں نے صرف ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن جی بھر کر پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ جہاد میں آئے سدی فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت پادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار

ہوا تھا، یعنی تین سو تیرہ، یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انھوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنیکی طاقت اپنے میں نہیں پاتے گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کہے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور خدا کی امداد ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھایا ہے تم صبر کرو طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو خدا کے وعدوں پر نظریں رکھو، اس صبر کے بدلے خدا تمہارا ساتھ دیگا لیکن ان کے سرد دل نہ گرمائے اور نہ ان کی بزدلی دور ہوئی۔

اس واقعہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی کو اپنی طاقت پر اعتماد نہیں رہنا چاہیے کہ میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کروں گا بلکہ مشکل ترین اوقات میں حوادثات ومصائب کا سامنا کرتے ہوئے اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ صبر واستقامت کی قوت وتوفیق بخشے، رب ذوالجلال کی قوت، توفیق اور ارادے کے بغیر نہ آدمی صبر کرسکتا ہے اور نہ ہی فتح پاسکتا ہے۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طالوت کی ماتحتی میں جالوت سے مقابلہ کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو ناقص الایمان رہے جو آزمائش میں ناکام رہے اور پیاس کی شدت کو برداشت نہ کرسکے، اور دوسری قسم کے وہ لوگ جو کامل الایمان رہے جو امتحان میں پورے اترے مگر دشمن کی فوج کی کثرت کو اور اپنی قلت کو دیکھا تو فکر میں پڑ گئے، اب کیا ہوگا؟ یعنی انہوں نے یہ یقین نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت پر غالب کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور تیسری قسم وہ تھی جو کامل ایمان رکھتے تھے جنھوں نے پیاس کی شدت برداشت بھی کی اور پورے صبر وثابت قدمی کے ساتھ جالوت کی فوج سے مقابلہ بھی کیا اللہ تعالیٰ نے ان صابرین کو فتح عطا فرمائی، اس سے ایک اور نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ان لوگوں کے

ساتھ ہوئی ہے جو صابر ہوئے ہیں۔

متقی غصہ کو پی جاتا ہے

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین O (۱۳۴/آل عمران)

ایسے لوگ ہیں جو کہ نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

وہ مومن ومسلمان جو متقی وپرہیز گار ہوتا ہے اس کے اوصاف وعلامات قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں سورۂ آل عمران کی اس آیت میں متقیوں کے تین اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ نیک کاموں میں خوشحالی اور تنگدستی دونوں صورتوں میں خرچ کرتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو غصہ کو پی جاتے ہیں اور جب لوگ غلطی کرتے ہیں تو انہیں معاف کردیتے ہیں، ان تین اوصاف میں سے دو اوصاف ہمارے اس موضوع (صبر) سے متعلق ہیں ظاہر ہے کہ اگر آدمی غصہ آنے پر ضبط کرنے اور غصہ کو پی جانے کے بجائے کسی پر غصہ اتارنے لگ جائے اور غصہ میں بے قابو ہو جائے اور کوئی ایسا اقدام کرے جو صبر کے منافی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو صابر کا خطاب کون دے گا؟ اسی طرح جو شخص کسی ایسے شخص کو جس نے اس کو تکلیف پہنچائی ہو معاف کردینے کے بجائے انتقام لینے لگ جائے تو انتقام لینے والا صابر کا لقب کیسے پاسکے گا؟ معلوم ہوا کہ وہ شخص متقی کہے جانے کے قابل نہیں ہوتا جس میں غصہ کو پی لینے اور لوگوں کو معاف کرنے کا جذبہ نہ ہو، مفسرین نے حضرت علی بن حسینؓ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؓ کی ایک باندی آپؓ کو وضو کرارہی تھی اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسینؓ کے اوپر گر پڑا، تمام کپڑے بھیگ گئے غصہ آنا طبعی

امر تھا، باندی کو خطرہ محسوس ہوا وہ ایسے گھرانے کی صحبت یافتہ تھی جنکے سینے میں قرآنی آیات اور زندگیوں میں قرآن ہی قرآن تھا اس نے فوراً یہ آیت پڑھی **والکاظمین الغیظ** مومن ومتقی غصہ کو پی جانے والے ہوتے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت علی بن حسینؓ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا وہ بالکل خاموش ہوگئے، اس کے بعد باندی نے والعافین عن الناس پڑھا کہ متقی لوگ لوگوں کو معاف بھی کردیتے ہیں، حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا میں نے تجھے دل سے بھی معاف کردیا باندی بڑی ہوشیار تھی اس نے اس آیت کا آخری ٹکڑا بھی جوڑ دیا واللہ یحب المحسنین **اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں**، حضرت علی بن حسینؓ نے یہ سنا تو فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کردیا ۔ جو لوگ صابر اور متقی ہوتے ہیں وہ عیش وآرام میں یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور تنگی اور مصیبت میں خوف خداوندی میں منہمک رہتے ہیں۔

عقلمندی، فہم وفراست کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی غصہ میں مشکل اور مغلوب نہ ہو جائے ایسے موقع پر بھی اپنی عقل کو استعمال کرے اور یہ سوچے کہ مجھ سے بڑا میرا رب موجود ہے جو پوری قوت وطاقت اپنے اندر رکھتا ہے اگر میں ظلم کروں گا تو پھر اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکوں گا، ایسے موقعوں پر ظفر شاہ دہلوی کا یہ شعر ذہنوں میں گونجتا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا
خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

صبر اور تقویٰ سے فتح وکامیابی

ہم جتنے کام کرتے ہیں وہ یا تو انفرادی ہوتے ہیں یا اجتماعی، ان دونوں قسم کے کاموں میں فلاح وکامیابی کا دارومدار صبر اور تقویٰ پر ہے، چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۰ میں

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے مکر وفریب اور مخالفین اسلام کی مخالفتوں کے نتائج سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا یہ نسخہ بتایا ہے کہ **ان تصبر و اوتتقوا الایضر کم کید ھم شیئاان اللّٰہ بما یعملون محیط** اگرتم صبر اور تقوی اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچاسکیں گی۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۲۵ میں غزوۂ بدر کے موقع پر جہاں پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ ایمان والوں کی امداد کی بشارت دی وہاں یہ شرط رکھی گئی کہ اگرتم صبر کروگے اور تقوی پر قائم رہوگے اور وہ کافر لوگ تم پر یکبارگی حملہ کردیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جوایک خاص وضع کے بنائے ہوں گے، ارشاد ربانی یوں ہے **بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذایمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملئکہ مسومین** غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتوں کے ذریعہ امداد اوران فرشتوں کی تعداد کے سلسلے میں تاریخی حیثیت سے جو تفصیلات اور مفسرین ومورخین کے اختلافی اقوال ہیں، انکا مطالعہ تفسیر وتاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں یہاں ان تفصیلات کا موقع نہیں ہے، ہم یہاں صرف قارئین کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ نصرت خداوندی کیلئے صبر اور تقوی کے ذریعہ راہ ہموار کی جائے صبر اور تقوی وہ دو زبردست طاقتیں ہیں جن طاقتوں کے ذریعہ فتح وکامیابی اور مشکلات میں آسانی حاصل کی جاسکتی ہے، اسی سورہ ءآل عمران کی آخری آیت بھی اس راز کو فاش کررہی ہے کہ تکالیف پر صبر، مقابلوں کے وقت ثابت قدمی، مقابلہ کیلئے ہمیشہ کمر بستہ تیاری ومستعدی' اور تقوی کالباس کامیابی کیلئے ذرائع واسباب ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **یایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون** (۲۰۰/ آل عمران) اے ایمان والو! تکالیف پر خود صبر کرو اور جب کفار سے مقابلہ ہو تو مقابلہ پر صبر کرو اور احتمال مقاتلہ کے وقت مقابلہ کیلئے مستعد رہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ شرعی حدود سے نہ نکلو تاکہ تم پورے کامیاب رہو۔

موجودہ حالات ایمان والوں سے پوری شدت کے ساتھ تقاضا کررہے ہیں کہ اب وہ

دین اسلام کے احکام کی پابندی کرنے میں اپنے نفس کو جمائے رکھیں اور طبیعت پر یہ احکام جس قدر بھی شاق گزریں ان احکام سے ہرگز منہ نہ موڑیں' دین کی بنیاد پر جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں ان تکلیفوں کو خوشی خوشی برداشت کریں' مصائب کی کثرت اور تکالیف کی شدت سے پریشان ہوکر اپنے دین وایمان اور رسول اللہ ﷺ کی تہذیب سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی جرات نہ کریں' راحت وتکلیف دونوں کو خدائی فیصلہ سمجھ کر اپنے دل کو مطمئن کرلیں اگر دشمن سے مقابلہ کا موقع آجائے تو بزدلی کا شکار ہوئے بغیر ثابت قدمی سے مقابلہ کریں اور جنگ وحملہ کے امکان کے موقعوں پر اپنے آپ کو مستعد اور تیار رکھیں، اپنے دفاع اور اسلام کی بقاء کیلئے اگر اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو سرمو پیچھے نہ ہٹیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کاہلی اور غفلت نہ کریں، ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے جانوں اور مالوں اور اپنی عفتوں وعصمتوں کی حفاظت کیلئے دعاء کرتے رہیں اور مسلمانوں کی سربلندی وکامیابی اور اسلام کی بقاوحفاظت کیلئے گریہ وزاری کرتے رہیں۔

یقیں محکم عمل پیہم ،محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

صابرین اللہ کے محبوب ہیں

وہ لوگ جو مصائب وشدائد میں شکوہ شکایت کے بجائے اپنے پروردگار کے ہر فیصلہ پر راضی برضارہ کر صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں، وہ لوگ جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر بھوک وپیاس کی شدت کو برداشت کرتے ہیں، وہ لوگ جو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں دشمنوں کی دشمنی مول لیتے ہیں اور ان کی ایذارسانیوں کا صبر وتحمل سے مقابلہ کرتے ہیں وہ لوگ جو دین کی بنیاد پر ہر قسم کی جانی ومالی قربانی دیتے ہوئے ناموافق صورتوں کو برداشت کرتے ہیں اس عارضی دنیا میں فانی لوگوں کی نگاہوں میں ہوسکتا ہیکہ یہ نفرت سے دیکھے جائیں ایک وہ ذات جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

اس حی وقیوم پروردگار عالم کے نزدیک یہ صابر و بردبار، وفاکش و جفاکش مومن ومسلمان پیارے اورمحبوب ہیں وہ ایسے ثابت قدم اور بردبار کے حق میں اپنے ابدی وآفاقی پیغام میں یہ پیغام دیتا ہے، واللہ یحب الصبرین (۱۴۶ آل/عمران) اوراللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے

سلام ہو گجرات ، فلسطین ، افغانستان اور کشمیر کی ان شہید روحوں پر جن کے جلتے جسموں نے ہمارے سینوں کوآہ سے بھر دیا ہے، انکی بیوہ عورتوں کی چیخ و پکار نے ہم سب کے دیدوں کونم کردیا ہے ،جن کے یتیم بچوں کی بپتا نے ہم سب کے دماغوں میں ایک عجیب الجھن پیدا کردی ہے ،جن کے مال ودولت اور کاروباری اثاثہ کی تباہی نے ہم میں ایثار و ہمدردی کا جذبہ پیدا کردیا ہے ، اگران سب نے شہادت کا جام پیا ہے تو یقیناً یہ خوش نصیب ہیں جن کی قسمت میں یہ مقام و مرتبہ تھا انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں میں اپنے صبر کا پھل جنت کی شکل میں دیکھ لیا ہے ،اوراب ان پر کوئی خوف وخطرہ اس لئے نہیں کہ ان پر جنتی ہونے کی مہر لگ چکی ہے اوران کے محبوب الہی ہونے کا یقین بھی اس آیت سے ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ صابرین سے محبت کرتا ہے ، جن ایام میں یہ کتاب لکھی جارہی ہے ظالم بھیڑیوں نے ہندوستان کی اس ریاست کو جنگل بنا رکھا ہے،اوراس ظلم کی پشت پناہی وہ پارلیمنٹ کررہا ہے جس کی ناک اب کٹ چکی ہے، کیا بعید ہے کہ یہی ظلم اس کی حکومت کے خاتمہ کا سبب اور ذریعہ بن جائے اسلئے کہ کوئی بھی حاکم ظلم کے ساتھ اپنی حکومت کو پائدار نہیں بنا سکتا۔

صبر بہر صورت بہتر صورت

ان الذین ینادو نک من و راء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولوانھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفوررحیم (۵/الحجرات)

جولوگ حجروں (کمروں) کے باہر سے آپ (محمد ﷺ) کو پکارتے ہیں ان میں

اکثروں کو عقل نہیں ہے اور اگر یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس، جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

دورِ رسالت میں ایک واقعہ پیش آیا جس کا تعلق قبیلۂ بنو تمیم سے ہے، اس قبیلہ کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ ٔمنورہ حاضر ہوئے' وقت دوپہر کا تھا جبکہ آپ ﷺ مسجد نبوی سے متصل حجراتِ ازواج مطہرات میں سے کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے، یہ لوگ چونکہ معاشرتی آداب سے ناواقف تھے جس کی وجہ سے کمروں کے باہر ہی سے آپ ﷺ کو دیہاتی انداز میں پکارنا شروع کردیا، ادب کا تقاضہ یہ تھا کہ صبر سے کام لیتے، آپ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ڈالتے، آپ ﷺ کے از خود کمروں سے باہر نکلنے تک انتظار کرتے مگر انہوں ایسا نہیں کیا، اور بے صبری کا مظاہرہ کیا اس پر قرآن مجید کی مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں یہ بات واضح طور پر بتادی گئی کہ حجروں کے باہر سے پکارنے والوں میں سے اکثروں کو عقل نہیں اگر انکو عقل ہوتی تو آپ ﷺ کا ادب کرتے اور اسطرح آپ کا نام لیکر باہر سے پکارنے کی جرات نہ کرتے' اتنا کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی بیان کردی کہ اگر وہ لوگ صبر کر لیتے تو ان کے حق میں یہ بات بہتر ہوتی یعنی اس قبیلہ کے لوگوں کی بھلائی اسی میں تھی کہ یہ صبر سے کام لیتے، اس واقعہ اور آیت سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ صبر ہی انسان کیلئے اکثر مواقع میں بہتر ہوتا ہے، اگر چہ کہ صبر اور انتظار طبیعت پر شاق معلوم ہوتا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے صبر ہی مفید اور خیر کا باعث ہوتا ہے۔

تجربات و مشاہدات کافی گواہ ہیں کہ بہت سے کام بے صبری سے ادھورے رہ جاتے ہیں، اور بہت سے امور صبر کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں، جو لوگ اس راز سے واقف ہیں وہی اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا صبر

حضرت نوح علیہ السلام وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہوں نے اپنی قوم کی اصلاح کیلئے مسلسل

ساڑھے نو سو برس تک مختلف قسم کی کوششیں اور کاوشیں کیں اور قوم کی طرف سے مسلسل مخالفت اور تکذیب کو برداشت کرتے رہے، اور اس پوری مدت میں انتہائی صبر سے کام لیتے رہے، ساڑھے نو سو برس تک نہ کبھی اپنی کوشش کو ترک کیا اور نہ ہی مایوسی کا شکار ہوئے اور نہ ہی انکے قدم اس کام کے کرنے میں پیچھے ہٹے بلکہ طرح طرح کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے قوم کی اصلاح و تربیت میں لگے رہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انکی قوم انہیں اس قدر مارتی کہ وہ گرجاتے تو انکو ایک کمبل میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیا جاتا اور قوم کے لوگ یہ سمجھتے کہ یہ مرچکے ہیں مگر جب اگلے روز انکو ہوش آتا تو پھر قوم کو ایک اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ دین میں سرگرم ہوجاتے۔

محمد بن اسحاق نے عبید بن عمر ولیثیؓ سے روایت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بے ہوش ہوجاتے تھے اور جب ہوش آتا تو یوں دعا کرتے **رب اغفر لقومی انهم لا یعلمون** اے میرے پروردگار! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ جانتی نہیں' صبر کی بھی کس قدر یہ اعلی مثال ہے کہ قوم مخالفت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا سمجھنے کیلئے تیار نہیں لیکن حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ہزاروں اذیتوں کے دیئے جانے کے باوجود یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ میری قوم ہے حضرت نوح کی یہ ثابت قدمی اور صبر کا جذبہ امت محمدیہ کیلئے باعث درس و نصیحت ہے' آج دین کی تبلیغ میں ایسے صبر کی شدید ضرورت ہے اسلئے کہ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ایک دو مرتبہ کوئی اصلاحی بات کسی سے کہدی اور نتیجہ فوراً مثبت انداز میں ظاہر نہ ہوا اور جس کو نصیحت کی گئی تھی اس نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا تو فوراً منفی ردعمل شروع ہوجاتا ہے' غصہ کا اظہار ہونے لگتا ہے یا مایوسی کے آثار جھلکنے لگتے ہیں، حالانکہ دین کی دعوت و تبلیغ کے اس فریضہ کے ادا کرتے ہوئے تقریباً تمام ہی انبیاء کرام نے مشکلات کا سامنا کیا ہے اور صبر کے دامن کو تھام کر اپنا کام جاری رکھا ہے، اور ثابت قدم رہ کر اپنے کام کو آگے بڑھایا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا صبر ہر خطیب، واعظ، مبلغ، ناصح اور قائد کیلئے نمونہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صبر

سارے ہی انبیاء صبر کا پیکر اور سر چشمہ ہوتے ہیں اور استقامت کا پہاڑ بن کر اپنے دین و مذہب پر جمے رہتے ہیں اور احکام الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہیں یہی، وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم سب انبیاء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں، عام انسانوں کے مقابلے میں انبیاء کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور ان انبیاء کرام کا صبر بھی عام انسانوں کے مقابلہ میں سینکڑوں درجہ بھاری ہوتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صبر بھی انبیاء کی تاریخ کا ایک حصہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کو قرآن مجید میں بطور خاص بیان کیا گیا ہے **واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن** حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت خلیل اللہ نے جس صبر و استقامت اور رب ذوالجلال کے فیصلہ پر اپنی رضامندی اور فرمانبرداری کا اظہار کیا اس منظر کو تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔

پھر جب مکہ کے ایسے بیابان میں جہاں نہ کوئی انسانی آواز اور نہ ہی کسی پرندے کی چہچہاہٹ اور نہ ہی کوئی کھانے پینے کا نظم، ایسے ماحول میں خلیل اللہ کی آزمائش ہو رہی ہیکہ اپنے چہیتے بیٹے اور بیوی کو چھوڑ دیا جائے اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جس میں صبر کا جو ہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔

اور وہ وقت صبر کی آزمائش کا اہم ترین وقت تھا جب ایک خوابی حکم کے ذریعہ حضرت ابراہیم کو اشارہ دیا گیا تھا کہ بڑھاپے کے اس سہارے کو، دن ورات کی دعاوؤں کے اس پھل کو، گھر کے اس چشم و چراغ (اسماعیل) کو قربان کر دیا جائے، اس خوابی حکم کیلئے پورے صبر کے ساتھ تیار ہو جانے والے ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو کہ اللہ کے اس خلیل نے اس کڑی آزمائش میں بھی کامیابی حاصل کر لی اور اپنے خلیل کو صابر پایا اور اس صبر کا پھل جنت کے اس مینڈھے کی شکل میں دیا گیا اور کہا گیا کہ اے ابراہیم! تم نے قیامت تک کے

انسانوں کیلئے صبر کی ایک تابندہ مثال چھوڑی ہے ہم کو تمہارا یہ عمل بہت محبوب و پسندیدہ محسوس ہوا ہے چلو! ہم تمہاری اس سنت کو قیامت تک کیلئے زندہ رکھتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر

اللہ کے حکموں کے آگے جو مسلمان آج اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ اپنی میٹھی نیند تک قربان کرنے کیلئے تیار نہیں وہ ذرا حضرت ابراہیمؑ کے فرزند صالح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعۂ قربانی اور اس وقت میں انکی زبان سے نکلے ہوئے جملوں پر غور کریں کہ کس طرح ایک کم عمر لڑکے نے اپنے رب کے حکم کے آگے اپنی جان تک قربان کر دینے کیلئے اپنے باپ کے سامنے بغیر کسی تردد و ہچکچاہٹ کے یہ کہہ دیا کہ ابا جان! اگر آپکو اپنے رب کا حکم یہی ہے کہ آپ مجھے ذبح کر دیں تو **یابت افعل ماتومر** جس بات کا حکم آپ کو دیا گیا ہے آپ اس کام کو کر گزریئے **ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین** آپ مجھ کو اللہ نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ۔

کس قدر ہمت، بردباری، صبر، استقلال اور دانشمندی و فراست سے بھرا ہوا یہ جملہ ہے کہ بال برابر بھی بزدلی نہیں ہے اور ہر ہر لفظ میں حکمت و دانائی پوشیدہ ہیکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں کہ ابا جان! میرا صبر کرنا نہ کرنا میری اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں ہے بلکہ رب کے ارادے پر موقوف ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں آپ کی توقع کے مطابق اتروں گا اور یہ بھی کہ دنیا میں صرف میں اکیلا ہی صبر کرنیوالا نہیں ہوں، بلکہ دوسرے بہت سے لوگ صبر کرنیوالے ہیں ان ہی میں سے ایک صابر بندہ آپ مجھ کو بھی پائیں گے، حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر بھی کر رہے ہیں اور غرور و گھمنڈ اور خود پسندی کو اپنے قریب آنے بھی نہیں دے رہے ہیں اور بڑی انکساری کے ساتھ یہ فرما رہے ہیں کہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ جملہ ہر اس شخص کیلئے درس و نصیحت ہے جو صبر کرتے ہوئے فخر و گھمنڈ کرتا ہے کہ دیکھو! میں کس قدر صابر و

ثابت قدم ہو؟ یہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہونا چاہیئے کہ مصائب و شدائد میں صبر کی طاقت رب ذوالجلال کی طرف سے ملتی ہے ورنہ ہم جیسے کمزور بندوں میں اس قدر قوت و طاقت کہاں جو کمزور پیدا کیئے گئے ہیں، ہم صبر بھی کرتے ہیں تو اس میں ہمارے کمال سے زیادہ قدرت کا کمال ہوتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور صبر جمیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی، اس محبت کی وجہ صرف حسنِ صورت نہیں تھی بلکہ حسنِ سیرت اور پیغمبرانہ وصف اور ان کی عفت و عصمت تھی اس حیثیت سے باپ کی بیٹے سے یہ محبت ایک اعتبار سے آخرت کی محبت تھی اس لئے کہ جو چیز آخرت سے متعلق ہوتی ہے اس سے محبت بھی درحقیقت آخرت ہی کی محبت تصور کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش کی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان سے تقریباً چالیس سال تک جدا اور دور رکھا گیا۔

یہ ایک کڑی آزمائش تھی، حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے باپ یعقوبؑ سے جدا اور دو رہونے کی صورت کیا پیش آئی؟ اس واقعہ سے تقریبا سب ہی واقف ہیں کہ بھائیوں نے محض حسد کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل کے ایک کنویں میں ڈال دیا اور جھوٹ موٹ کا خون یوسف کے کرتہ میں لگا کر اپنے باپ سے یہ کہدیا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے اس وقت صابر باپ نے جو صبر جمیل فرمایا اس کو قرآن مجید نے سورۂ یوسف میں بیان کیا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا **بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون** بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے (بھیڑیئے نے یوسف کو نہیں کھایا ہے) بس صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا مجھ کو اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو یعنی یوسف و بنیامین وغیرہ کو مجھ تک پہنچا دے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جس درجہ کا صبر کیا تھا وہ صبر جمیل تھا۔ ''صبر جمیل کا مطلب یہ کہ حوادث ومصائب کے پہنچنے پر شکوہ و شکایت کے طور پر زبان کھولی نہ جائے اور برداشت کیا جائے اور اس وقت اپنے رنج وغم کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے بجائے اپنے پروردگار سے اپنی حالت بیان کی جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے'' جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا اور پھر آگے یہ بھی بیان کر دیا کہ میں اپنی فریاد اور رنج وغم کا اظہار تم سے یا کسی دوسرے سے نہیں کرتا بلکہ اللہ جل شانہ کی ذات سے کرتا ہوں، اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو' حضرت یعقوب علیہ السلام کا آنسو بہانا اور روتے روتے آنکھوں کی بینائی کا چلا جانا اس غم ورنج کی وجہ سے تھا کہ جس بیٹے میں وہ نبوت کے آثار وعلامات پا رہے تھے ایسا حسن سیرت کا حامل بیٹا ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا گویا یہ ایک آخرت کی فکر تھی جو مسلسل ا ن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھی، کفار ومشرکین کے بیجا مطالبات اور ان کی ایذا رسانیوں کے پیش نظر جو رنج اور تکلیف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ رہی تھی اللہ تعالیٰ نے پیارے پیغمبر کو بھی ان حالات میں صبر وتحمل کی تلقین فرمائی تو انہی الفاظ میں تلقین فرمائی کہ **فاصبر صبرا جمیلا** (۵/معارج)

اے پیغمبر! صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو' یعنی ان کافروں کے کفر اور ان کے اختلاف سے ایسے تنگ دل نہ ہو جایئے کہ شکایت اور حکایت زبان پر آجائے بلکہ یہ سمجھ کر آپ تحمل و برداشت سے کام لیجیےء کہ ان کو سزا ملنے والی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر

بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا تعلق صبر سے معلوم نہیں ہوتا لیکن اگر ہم حضرت یوسف کی زندگی کے ہر پہلو کا گہرا مطالعہ کریں گے تو یہ راز عیاں ہو جائے گا کہ کس طرح حضرت یوسفؑ نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور زندگی کے مختلف مراحل میں ثابت قدم رہے، سب سے پہلے تو ان کے بھائیوں نے ان کو بغیر کسی غلطی اور جرم کے

ایذااور تکلیف دی، طعنے دیئے حضرت یوسف نے ان ایذا رسانیوں پر صبر کیا، باوجود آزاد ہونے کے انکو غلام بنالیا گیا اس پر بھی صبر کیا؛ عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پرفریب ترغیبات کے باوجود اپنے تقوی اور دین پر قائم رہ کر صبر کیا اور اپنا قدم کسی برائی کی طرف نہ بڑھایا، عزیز مصر کی بیوی کے بہتان وتہمت کو برداشت کیا اور خاموشی کے ساتھ صبر کرتے رہے' مصر کے قید خانہ میں بغیر کسی جرم کے ڈالے گئے اس پر بھی صبر کیا! عزیز مصر کی دولت وثروت کے نگہبان اور وزیر بن جانے پر بھی اپنے اسی زہد وقناعت پر قائم رہ کر صبر کیا اور اس عہدہ وسلطنت نے ان کو غرور وگھمنڈ میں مبتلا نہ کیا، اپنے ان بھائیوں کے ساتھ جنہوں نے ان کو کنویں میں ڈالا تھا کوئی سزا نہ دی اور نہ انتقام لیا بلکہ وہ صابرانہ جملہ اپنی مبارک زبان سے ادا کیا کہ **لا تثریب علیکم الیوم** آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ میں نے تم کو آزاد کردیا، اور صبر کی اس سے بڑھ کر نشانی کیا ہوسکتی ہیکہ ان ایذا اور تکلیف پہنچانے والے بھائیوں کا اعزاز واکرام کیا اور مصر میں شاہی انداز سے ان کا استقبال کیا اور رہنے کو ٹھکانہ دیا۔

بنی اسرائیل کے صبر کا پھل

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر آئی اور مصر میں یہ خاندان پروان چڑھتا رہا، یہاں تک کہ یہ خاندان مصر میں آباد ہوگیا، پھر فرعون کا زمانہ آیا، رفتہ رفتہ اس خاندن کا اعزاز واکرام کم ہوتا گیا اور پھر یہ خاندان جو بنی اسرائیل سے مشہور ہوا فرعون کی غلامی میں آگیا، عرصۂ دراز تک بنی اسرائیل مصر میں محکومی، غلامی، بیچارگی، غربت وافلاسی کی حالت میں بسر کرتے رہے، فرعون نے ان کی اولاد کو قتل کیا، ان کی عورتوں کو باندیاں بنالیا، پس بنی اسرائیل اس مصیبت کو برداشت کرتے رہے، فرعون اور فرعونیوں کے ظلم کا سلسلہ چلتا رہا، لیکن ظلم کو کبھی بھی بقا نہیں رہا، ان مظلوموں کی آہ رنگ لائی اور اللہ تعالی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی فرعون سے آزادی کا ذریعہ بنایا، اور ظالم کو

مظلوموں کی نگاہوں کے سامنے ہی غرق کر کے تباہ کر دیا گیا اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو نجات عطا کی ،طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں ،من وسلوی، بادل کا سایہ، ہدایت کیلئے آسمانی کتاب عطا کی گئی یہ نعمتیں جو بنی اسرائیل کو دی گئیں ان کے اس صبر وتحمل کی وجہ سے تھیں جو انہوں نے محکومی کے زمانہ میں جھیلی تھیں، چنانچہ قرآن مجید بنی اسرائیل کے صبر کو نتیجہ قرار دیتا ہیکہ وتمت کلمة ربک الحسنی علی بنی اسرا ئیل بماصبروا(اعراف ۱۳۷) اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا، اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا جو قوم مصائب وشدائد کو برداشت کرتی ہے اور صبر وتحمل سے کام لیتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کے صبر کا بدلہ دنیا ہی میں عطا فرماتے ہیں، یہ محاورہ یہاں صدفی صد صادق آتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر

حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رکھ لینا چاہیے کہ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا اور مصائب میں سب سے زیادہ امتحان انبیاء کرام کا ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ دولت وثروت ،عزت وجاہت اور خوشحالی آرام وراحت کی زندگی میں اللہ کا شکر ادا کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے بلکہ آسان ہے لیکن بلاوں اور مصیبتوں میں تنگدستی اور فقر وفاقہ میں بیماریوں اور حوادثات میں زبان پر حرف شکایت لائے بغیر صبر وضبط کے ساتھ رہ جانا بہت ہی مشکل اور کٹھن کام ہے اور ایسے ہی موقعوں پر بندوں کے ایمان کی پختگی کا احساس ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام ابتداء میں دولتمند اور کثیر العیال خوش بخت زندگی بسر کرنے والے پیغمبر تھے، اللہ نے آپ کی کڑی آزمائش کی مال ومتاع ختم ہوگیا، اہل وعیال سے محروم ہوگئے ،جسم وجان پر بھی آفت آگئی تیرہ سال تک حضرت ایوب علیہ السلام مصیبتوں کی اس آزمائش میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ ان کے تمام رشتہ داروں نے ان سے کنارہ

کشی اختیار کر لی ، لیکن ان کی بیوی نے ان کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا اس طویل زمانے میں حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کی ایک مثال قیامت تک کے انسانوں کے لئے قائم کردی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے صابر ہونے کا اعلان کیا **انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب** ، ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا بہت ہی عمدہ بندے ہیں یہ، یقیناً وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے۔

جب کسی نے کہہ دیا کہ ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں ان کو ایسی سخت سزا دی گئی ہے تو حضرت ایوب علیہ السلام یہ طعنہ سن کر بے قرار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو یوں پکارا **وایوب اذنادی ربہ انی مسنی الضروانت ارحم الراحمین** (انبیاء/۸۳) اور ایوبؑ کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا، الٰہی مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کا دکھ دور کر دیا اور ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے سبب دیا۔

چنانچہ ان مصیبتوں سے نجات اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور یہ ہدایت دی گئی کہ اپنا پیر زمین پر ماریں جب حضرت ایوب علیہ السلام نے ٹھوکر ماری تو معاً پانی کا ایک ٹھنڈا چشمہ ابل پڑا پھر ہدایت کی گئی کہ اس میں غسل کریں جب غسل کر کے باہر نکلے تو پہلے سے زیادہ صحیح وتندرست نظر آنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ نے سونے کی چندٹڈیاں ان پر برسائیں حضرت ایوب علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو انہیں پکڑ پکڑ کر کپڑے میں رکھنے لگے اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی اور پوچھا ایوب کیا ہم نے تمہیں سب کچھ دیکر غنی نہیں بنا دیا حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح ہے لیکن آپ کی نعمتوں سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ روز کے کھانے کیلئے حضرت ایوب علیہ السلام کے ہاں جو گٹھری گیہوں اور جو کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں اضافہ کیلئے گیہوں کو سونے اور جو کو

چاندی میں بدل دیا۔(فتح الباری)

حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی کے ان حالات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بلاؤں، مصیبتوں، بیماریوں، ناکامیوں اور نقصانات کے ذریعہ آزمائش فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے بندے ان تمام مواقع پر صبر وتحمل سے کام لیں اور شکوہ شکایت سے گریز کریں تو اللہ تعالیٰ اس صبر کا پھل ایسا عطا فرماتے ہیں جس کا ایک انسان تصور بھی نہیں کرسکتا، جو لوگ ان ناگفتہ بہ احوال میں صبر کے عادی ہوتے ہیں ان کی زندگی کا مستقبل تابناک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب مصیبتوں اور کلفتوں میں آزمائے جاتے ہیں تو اپنے رب سے بدگمان نہیں ہوتے اور نہ ہی تنگدل ہوکر لب کشائی کرتے ہیں بلکہ وہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن جاتے اور تنہائیوں میں اپنے حقیقی پروردگار سے مدد طلب کرتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پانے کے سلسلے میں کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ رب ذوالجلال پر کامل اعتماد رکھتے ہیں وہ صرف آستانہ الٰہی کے بھکاری بنے رہتے ہیں کسی اور کے در کے بھکاری بن کر غدار و بے وفا نہیں بنتے وہ ایسے نیک ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ان حالات میں پورا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ قل کل من عنداللّٰہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہوگا وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا طویل مدت تک ایک ہی رب کے دربار پر جمے رہنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا، اور مصیبتوں سے نجات پانے کیلئے اسی کو پکارنا ہم سب کیلئے درس ونصیحت ہے

سارے انبیاء ہی صابر تھے

دنیا میں جتنے پیغمبر آئے مشترکہ طور پر سب میں یہ وصف تھا کہ وہ اپنے مخالفین کی طرف سے دی جانے والی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے تھے، شاید ہی کوئی پیغمبر ہو جس کو دین اسلام کی راہ میں تکلیف نہ دی گئی ہو، یہی وجہ ہے کہ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۳۴ میں

یہ بات انبیاء کرامؑ سے متعلق کہی گئی کہ ولقد کذبت رسل من قبلك فصبروا علی ما کذبوا واوذوا حتی اتھم نصرنا بہت سے پیغمبر جو آپ ﷺ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے جس پر انہوں نے صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی گئیں، یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچ گئی جس سے مخالف مغلوب ہو گئے اس وقت تک وہ صبر ہی کرتے رہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کے منصب پر فائز ہونے والے ہر فرد کو ان تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا ہے اور ان سب نے ہی ان مراحل کا مقابلہ صبر وتحمل سے کیا ہے۔

نبوت کی طرز پر تبلیغ دینکرنے والوں اور وراثت نبوی ﷺ کے حامل علماء کرام اور ائمۂ اُمت کی سب سے بڑی خصوصیت بھی یہی ہونی چاہیے کہ وہ اس راہ میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں، اور اس کو تمام نبیوں کی سنت تصور کریں یقیناً یہی صبر اللہ کی مدد کے دروازے کھول دے گا، اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۸۵ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اور ان سب کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ سب صابرین میں سے تھے۔

حضور ﷺ کا صبر

جو لوگ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے واقف ہیں ان کیلئے یہ بات اجنبی نہیں کہ آپ ﷺ نے کس طرح مخالفین کی ایذارسانیوں پر صبر وتحمل سے کام لیا، آپ ﷺ کی راہ میں کانٹوں کا بچھادینا، اور آپ ﷺ کے سامنے خون کا ڈال دینا، چادر گردن میں ڈال کر گلہ گھونٹنا، عبادت خداوندی کے دوران اونٹ کی اوجھڑی کا آپ ﷺ کے اوپر ڈال دینا، آپ ﷺ پر پتھر کا برسانا اور جسم اطہر کو خون آلود کر دینا، طعن وتشنیع اور گالی گلوچ کرنا آپ کو کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی مجنون، کبھی شاعر، کہہ دینا، آپ کو آپ کے پیدائشی وطن سے نکل جانے پر مجبور کر دینا، آپ کا تعاقب کرنا، یہ اور قسم کی سینکڑوں اذیتوں کا جو

اب اس نبی صابر ﷺ نے بس خاموشی سے دیا اور صبر وتحمل کا پورا پورا مظاہرہ فرمایا۔

زید بن سعنہ یہودی آپ کی خدمت میں پہنچا ہے چادر آپ کے شانہء مبارک سے اتار لی ہے جسم کے کپڑے پکڑ لئے ہیں اور ڑانے لگا ہے کہ عبد المطلب کے خاندان والے بڑے نادہند ہوتے ہیں عمر فاروقؓ جلال میں ہیں سختی سے جھڑک دیتے ہیں ، آپ ﷺ کے تحمل وصبر کا عالم یہ ہے کہ آپ ہنس پڑتے ہیں اور اس یہودی کو کچھ کہنے کے بجائے حضرت عمر فاروقؓ سے یوں فرماتے ہیں عمر! تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح کا برتاو کرتے تم مجھے حسن ادائیگی کیلئے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے پھر اس یہودی کی جانب مخاطب ہو کر کہنے لگے ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں، پھر عمرؓ سے فرمایا اس کا قرضہ ادا کر دو بیس صاع زیادہ بھی دینا کہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا، صبر وتحمل کی کس قدر عمدہ مثال آپ ﷺ نے چھوڑی' صبر وتحمل کے ایسے بیسیوں واقعات آپ ﷺ سے متعلق ہیں ہم نے نمونہ کے طور پر ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس سے آپ ﷺ کے صبر وتحمل کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت آسیہ کا صبر

سورۂ تحریم کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے دو بدکار اور بد بخت اور دو نیکوکار اور نیک بخت تھیں۔

وہ دو عورتیں جو بدکار تھیں وہ دو نبیوں کی بیویاں تھیں، ایک حضرت نوحؑ کی بیوی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان دونوں کی بدکاریوں کا انجام بھی برا ہی ہوا۔

اور دو نیک بخت عورتوں میں ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں جن کا تقوی اور زہد مثالی ہے اور دوسری حضرت آسیہ ہیں جو گھمنڈی وظالم بادشاہ فرعون کی بیوی تھیں، تھیں تو ایک کافر کی بیوی مگر وہ خود حضرت موسیٰؑ کے رب پر ایمان لا چکی تھیں اور اپنے ایمان کو عرصۂ دراز تک چھپائے رکھا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوااور مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کو کامیابی ہوئی اور جادوگر سارے کے سارے اپنے ایمان کا کھل کر اظہار کرنے لگے تو حضرت آسیہ نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر دیا جس کے نتیجہ میں فرعون نے انہیں سخت سزادی، ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے ان کو چومیخہ کر کے سینہ پر بھاری پتھر رکھد یا یعنی چاروں ہاتھوں پیروں میں میخیں گاڑ دیں کہ حرکت نہ کرسکیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان کے اوپر سے بہت بھاری پتھر ان کے سر پر ڈال دینے کی تجویز ہوئی، ابھی وہ پتھر ڈالنے نہیں پائے تھے کہ اللہ کی اس نیک بندی نے یوں دعا کی **رب ابن لی عندک بیتافی الجنة ونجنی من فرعون و عمله و نجنی من القوم الظلمین(تحریم: ١١)**

اے میرے پروردگار! میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون کے شر سے اوراس کے عمل سے محفوظ رکھیئے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے محفوظ رکھیئے۔

اللہ کی یہ نیک بندی چاہتی تو کفر وشرک کے ساتھ بادشاہ کے محل میں ملکہ کی حیثیت سے آرام وراحت میں رہ سکتی تھی مگر اس نیک خاتون نے دنیا کے اس محل پر آخرت کے محل کو ترجیح دی اور اپنے رب حقیقی کے محل کیلئے دعاء کرنے لگی کہ اب مجھے دنیا کا محل نہیں چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود جنت کا محل چاہیئے۔

صبر کب تک؟

دنیا میں انسان دوطرح کے ہوتے ہیں یا تو وہ بھلائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں یا برائی کا، بھلائی کا راستہ اختیار کرنے والے صالحین کہلاتے ہیں اور برائی کا راستہ اختیار کرنے والے مجرمین۔

انسان کی عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو صالحین ہیں وہ عیش وآرام،لذت و راحت خوشی وشادمانی، نفع وتندرستی کی حالت میں دنیا کی یہ زندگی گزاریں،اور جو مجرمین ہیں انہیں اپنے جرائم کی سزا فورا مل جائے،ان کا آرام ولطف ختم ہو جائے،وہ غم ورنج کا پیکر بن

جائیں ، باوجود انسانی عقل کے اس تقاضے کے دنیا میں ایسانہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ نیک لوگ تنگدستی ، رنج ، مصیبت ونقصان کا شکار رہتے ہیں اورادھر مجرم لوگ ہر طرح کے آرام ورا حت ، خوشی وخوش حالی اور ظاہری عزت کی بلندیوں پر نظر آتے ہیں ۔

اس صورت حال کو دیکھ کر کبھی کبھی بلکہ اکثر اوقات بعض نیک لوگوں کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ دیکھو! مجرموں کو کس قدر چھوٹ ہے ان کو کوئی پکڑنے والانہیں ، ظلم کی آگ بھڑکا رہے ہیں پھر بھی خوش ہیں ، مظلوموں پر ظلم کررہے ہیں پھر بھی آرام میں ہیں ، اہل حق کوایذائیں دے رہے ہیں پھر بھی خوش حال ہیں آخران پر عذاب کب آئے گا ؟ آخران کو کب پکڑا جائیگا ؟ فسادات کے موقعوں پر، اوراقلیتوں پر ظلم کے تسلسل کے موقع پرکئی مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اللہ میاں بھی ان ظالموں کو کچھ نہیں کررہے ہیں آخراتنا سب کچھ ہورہا ہے اور مدد نہیں آرہی ہے؟

ایسی صورتوں میں ایک بات تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور قید خانہ کی زندگی آرام وراحت اور لطف وشادمانی کی ہونہیں سکتی ، یہ دنیا دارالامتحان ہے امتحان کی جگہ میں رنج ، فکر، تردد اور پریشانی تو یقینی ہی ہے اور یہ دنیا کافروں کیلئے جنت ہے اور جنت میں آرام ہی آرام ، راحت ہی راحت ہوتی ہے ، اگر اللہ تعالی مسلما نوں کوستر سال یا اسی (۸۰) سال قید خانہ کی زندگی دیں اور پھر ہمیشہ کی زندگی کیلئے جنت مقدر فرمادیں ، اور کافر کیلئے ستر اسی سال جنت کا سا ماحول دے دیں ، جنت کا سا اختیار دے دیں ، اور پھر ہمیشہ کی زندگی کیلئے دوزخ اور قید خانہ کی زندگی دے دیں تو یہ بتلایئے کہ نفع میں مسلمان ہے یا کافر؟ ظاہر ہے کہ مسلمان اس حدیث کی روشنی میں یہ کہہ سکے گا کہ واقعی ہم ہی نفع میں ہیں اس لئے کہ ہم ستر سال مشکل میں اور ہمیشہ راحت میں ہیں اور وہ ستر سال آرام میں اور ہمیشہ مشکل میں ہیں ، اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کومعلوم ہے کہ کس کی رسی کو کب تک ڈھیل دینا ہے اورکس کی رسی کو کب کھینچنا ہے ، وہ ساری حکمتوں اور مصلحتوں سے واقف ہیں ، چونکہ انسان کی عقل رب ذوالجلال کی

حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اس لئے اس قسم کے سوالات کا ابھرنا فطری ہے اللہ تعالیٰ مجرموں کو فوراً نہیں پکڑتا جب پکڑنا ہے اسی وقت پکڑتے ہیں اور جب پکڑتے ہیں تو مہلت کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

بات کچھ طویل سی ہوگئی ہم نے جو بات چھیڑ رکھی ہے وہ یہ ہے کہ بظاہر صالحین اور مجرمین میں کوئی فرق نظر نہیں آتا صالح بھی زندگی گزار رہا ہے اور مجرم بھی آرام کے ساتھ ہے تو آخر ایسے وقت مومنوں اور مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے جب کہ مجرم کھلے عام جرم کر رہے ہوں اور آرام و راحت کی حالت میں بھی زندگی بسر کر رہے ہوں اور ان کی سزا ان کو نہ مل رہی ہو تو مسلمانوں کا رول ایسے موقعوں پر کیا ہونا چاہئیے؟ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۸۷ میں اس کا جواب دیا گیا وان کان طائفة منکم آمنوا بالذی ارسلت به وطائفة لم یؤمنوا فاصبروا حتی یحکم الله بیننا وهو خیر الحکمین .

تم میں سے بعض تو اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے اور پھر بھی دونوں فریق ایک ہی حالت میں ہیں یہ نہیں کہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب آ گیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عذاب سے ڈرانا بے اصل ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فوراً عذاب نہ آئے گا ذرا ٹھیر جاو (صبر کرو) یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ کئے دیتے ہیں یعنی عذاب نازل کر کے مومنین کو نجات دیں گے اور کفار کو ہلاک کریں گے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

اس آیت کا تعلق حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے ہے جبکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت ایمان کے بعد انکی قوم دو حصوں میں بٹ گئی کچھ ایمان لائے کچھ ایمان نہ لائے مگر ظاہری اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا، دونوں جماعتیں یکساں رہیں تو ان کے دلوں میں یہ بات آئی کہ اگر کافر ہونا کوئی جرم ہوتا تو مجرم کو سزا ملتی اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ تم جلد بازی مت کرو اللہ تعالی اپنے حلم اور کرم کی وجہ سے مجرموں

کومہلت دیتے ہیں جب وہ بالکل ہی سرکش ہو جاتے ہیں تو پھر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔
ایسے موقعوں پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالی اس بات کے پابندنہیں کہ ان کافروں کو دنیا ہی میں کوئی عذاب دیں اسلئے کہ اللہ تعالی کافروں، ظالموں اور مجرموں کو آخرت میں بھی عذاب دے سکتے ہیں، اور آخرت کا عذاب ہی تو بھاری، سخت اور بڑا ہے مومن و مسلمان کو بہرصورت اس وقت تک مصائب میں صبر کرنا ہے جب تک کوئی فیصلہ ءخدا وندی نہ ہو۔

صبر کے ذریعہ رضائے الٰہی

سورۂ رعد کی آیت ۱۹ تا ۲۲ میں اللہ کے فرمانبردار بندوں کے نو اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک وصف صبر ہے جسکو یوں بیان کیا گیا، **والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوه وانفقوا ممارزقنهم سراوعلانية ويدرء ون بالحسنة السيئة اولئک لهم عقبى الدار.** (الرعد/۲۲)
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی صفت یہ بھی ہے وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضامندی کو چاہتے ہوئے، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس جہاں میں نیک انجام ان لوگوں کے واسطے ہے۔
اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی صبر سے کام لے اور صبر کا مقصد یہ ہو کہ اس مشقت کے جھیلنے اور تکلیف کے برداشت کرنے سے اللہ تعالی راضی ہو جائے، اس آیت میں صبر کی ایک شکل بھی واضح کر دی گئی کہ صابر وہ نہیں جو برائی سے پیش آنے والے کے ساتھ انتقام لے لے، یا خاموش ہو جائے بلکہ صبر میں اس وقت کمال پیدا ہوتا ہے جبکہ اس شخص کے ساتھ بھلائی کی جائے جو برائی سے پیش آرہا ہو، **ویدرء ون بالحسنة السيئة** سے یہی بات بتائی گئی کہ

اس طرح صبر کیا جائے کہ بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے ، جب دیگر آٹھ اوصاف کے ساتھ یہ وصف بھی پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ایسے لوگ جنت میں داخلہ کے مستحق ہیں اور جب جنت میں ایسے لوگ داخل ہو جائیں گے تو وہاں ہر دروازے سے فرشتوں کو آتا ہوا پائیں گے اور وہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اس چیز کے بدلے میں جو تم نے صبر کیا۔ (**سلم علیکم بما صبر تم**)

معلوم یہ ہوا کہ جنت میں گو یا یہ اعلان کیا جار ہا کہ تم پر سلامتی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں تمام احکام الٰہی پر عمل کرنے میں، مصائب وشدائد میں حوادث وامراض میں صبر سے کام لیا تھا۔

جب آدمی صبر سے کام لے تو اپنے دل میں یہ نیت کر لے کہ میرا یہ صبر کرنا میرے رب کو راضی اور خوش کرنے کیلئے ہے پھر دونوں ہاتھ رب ذوالجلال کی پاک بارگاہ میں اٹھائے اور یوں کہے کہ اے اللہ! میں آپ کے فیصلہ پر راضی ہوں جس مصیبت میں میں گرفتار ہوں اس مصیبت میں میں صرف اسی لئے صبر کر رہا ہوں کہ آپ راضی ہو جائیں اے اللہ! آپ مجھ سے اور میرے اس صبر سے راضی اور خوش ہو جایئے اگر آپ راضی ہو جائیں تو میری یہ تکلیف مجھ پر بھاری نہیں بلکہ ہلکی ہے۔ مصائب میں اپنے غم ورنج کو ہلکا کرنے کا ایک نسخہ یہ بھی ہیکہ آدمی یہ سوچ لے کہ اس موقع پر صبر کرنے سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ اجر وثواب مل رہا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میرا حقیقی پروردگار خوش ہو رہا ہے، جب وہ مجھ سے خوش ہو جا ئے گا تو پھر میرے لئے مصیبت سے نجات کے راستے بھی کھولے گا۔

مہاجر صابر صحابہء کرام

ابتدائے اسلام میں جن مہاجر صحابہء کرامؓ نے کفار مکہ کے مظالم مکی زندگی میں برداشت کئے اور اس طویل عرصہ میں ہر قسم کی مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے اسلام پر ثابت رہے اور اپنے حقیقی پروردگار پر توکل کرتے رہے اللہ تعالی نے ایسے نیک وصالح، متقی و پرہیزگا ر، صابر و مظلوم صحابہء کرام کی تحسین فرمائی ہے اور ان کی ان محنتوں کا دنیا وآخرت میں دیا جا

نے والا صلہ وانعام سورۂ نحل کی آیت ۴۲ میں یوں بیان کیا ہے والذین ھاجروافی اللّٰہ من بعدما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجرالآخرۃ اکبر لو کانوا یعملون،الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون .

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑا (اور حبشہ چلے گئے) بعد اس کے کہ ان پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش ان کو خبر ہوتی وہ مہاجرین (ان وعدوں کے اس لئے مستحق ہیں کہ وہ) ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین کی بقاء کے لئے ضرورت پر ہجرت کرتے ہیں اور اپنا وطن تک چھوڑ دیتے ہیں دین کے مقابلہ میں اپنے وطن کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہوتی ،اگر اپنے دین کی خاطر وطن کو بھی چھوڑ دینا پڑے تو چھوڑ دیتے ہیں اس راہ میں ہونے والے مظالم کو برداشت کرتے ہیں ،صبر اور تحمل سے کام لیتے ہیں ،اور ہر حال میں ان کی نظر چیزوں کے رب پر ہوتی ہے، ان کا بھروسہ رب ذوالجلال پر ہوتا ہے، جب یہ اوصاف کسی مرد مومن میں پائے جاتے ہیں تو پھر وہ دنیا میں بھی بھلائی کے مستحق ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات واعزازات کے حقدار ہوجاتے ہیں۔

مصیبت چلی گئی اجر باقی رہ گیا

دنیا کی خوشی وراحت جس طرح عارضی ہے اسی طرح دنیا کا غم اور مصیبت بھی عارضی ہے انسان کے پاس جتنی چیزیں ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں کسی کو بقاء نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ ماعندکم ینفذوماعنداللہ باق۔(۹۶ النحل) جو تمہارے پاس ہے ختم ہوجائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔

اس آیت میں ان لوگوں کیلئے بڑی تسلی ہے جو مصیبت میں گھرے ہوتے ہیں رنج وغم کا شکار ہوتے ہیں، دکھ درد میں مبتلا ہوتے ہیں، ناکامیوں اور نقصان کے دلدل میں پھنسے ہوئے

ہوتے ہیں اس لئے کہ اس آیت میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب ختم ہوجائے گا یعنی دولت اگر ہے تو وہ بھی، طاقت وقوت ہے تو وہ بھی، صحت وعافیت ہے تو وہ بھی، اسی طرح اگر رنج، غم، حیرانی وپریشانی، مصیبت وبلا، دکھ درد، بیماری وکمزوری وغیرہ ہے تو یہ بھی ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ بھی فنا ہونے والی ہیں اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے یعنی انسان نے نیک اعمال کے ذریعہ اور صبر وشکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کے ذریعہ جو کچھ آخرت میں ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے پاس جمع کیا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوگا (وہ تو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے)

جو مومن ومسلمان کسی بھی مصیبت میں مبتلا ہو وہ اس آیت پر غور کرے کہ آج جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں وہ مصیبت ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی لیکن اس مصیبت میں جس صبر وتحمل سے میں کام لے رہا ہوں اسکا اجر وثواب کبھی ختم نہیں ہوگا وہ تو اللہ کے پاس باقی ہے اور باقی رہے گا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل کی اس آیت میں جس کا حوالہ دیا گیا آگے یہ بات بیان کی گئی کہ **ولنجزین الذین صبروا اجرھم باحسن ما کانوا یعملون** اورہم بدلہ میں دینگے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے۔

صبر کا بدلہ

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب کسی کام کے بدلہ کی توقع ہو تو وہ اس کام میں محنت کرتا ہے اور اس محنت میں جس میں نیک بدلہ کی توقع ہو لطف بھی ملتا ہے، ایک مومن ومسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے پہنچنے والی تکلیف اور محنت پر نیک بدلہ کی توقع رکھے، اس کی یہی توقع اس کے اندر اور زیادہ کام کرنے اور برداشت کرنے میں حوصلہ پیدا کرے گی، جب دنیا کے کسی حکمران کے وعدے پر اس قدر یقین ہو کہ وہ ضرور اس کام کا بدلہ دے گا تو زمین وآسمان کے خالق ومالک کے وعدے پر تو

پورا پورا یقین ہونا چاہیے اس لئے کہ وہ ایسا خالق و مالک ہے جو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ان اللہ لایخلف المیعاد (۹ آل عمران) اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومنون کی آیت نمبر (۱۱۱) میں قیامت کے دن کے احوال بیان کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے کہ انی جزیتھم الیوم بماصبروا انھم ھم الفائزون میں نے انکو آج ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ صبر کا بدلہ بھی ملے گا اور یہ بھی علم ہوگیا کہ صبر کا بدلہ ہی کامیابی ہے، جو لوگ اس دنیا میں صبر سے کام لیتے ہیں اللہ تعالی ان کو آخرت کے دن کی کامیابی سے نوازتے ہیں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ صبر کے بدلہ کے بارے میں بشارتیں دی گئی ہیں، چنانچہ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۷۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک یجزون الغرفة بماصبروا ویلقون فیھا تحیة و سلاما (۷۵ الشعراء) ایسے لوگوں کو جنت میں بالاخانے ملیں گے اس وجہ سے کہ وہ صبر کرتے تھے اور ان کو اس جنت میں فرشتوں کی طرف سے بقاء کی دعاء اور سلام ملے گا، اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۴ میں اللہ تعالی نے فرمایا اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا ویدرئون بالحسنة السیئة ومما رزقنھم ینفقون، ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا، اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کرتے ہیں یعنی یہ لوگ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتے ہیں جہالت وغفلت کا جواب اپنے علم اور حلم سے دیتے ہیں، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر کا اجر دوہرا ملتا ہے۔

سورۂ مزمل کی آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالی نے صابرین کے اجر کے بارے میں یوں فرمایا انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (۱۰ الزمر) صبر کرنیوالوں کو انکا صلہ بے شمار ہی ملتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ صبر کرنیکا جو اجر وثواب دیا جاتا ہے وہ حساب کے دائرہ میں نہیں بلکہ بے حساب دیا جاتا ہے، سورہ دھر کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالی نے یوں فرمایا وجزاھم بماصبر واجنة وحریرا اور ان کے صبر کے بدلہ میں ان کو

جنت اور ریشمی لباس دیگا۔

صبر اور حضرت خضر علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حصول علم کیلئے ، حضرت خضرؑ کو تلاش کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت خضرؑ موجود تھے اور بعد ملاقات شاگردی کا شرف بخشنے کی درخواست کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سب سے پہلے یہی بات بیان کی کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے ، اس لئے کہ میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں اور ایک علم آپ کو دیا ہے میں نہیں جانتا ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہ کروں گا ، حضرت خضر علیہ السلام نے مزید یہ بات بھی بتادی کہ جب تک میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلاؤں کسی بھی معاملہ میں مجھ سے کچھ نہ پوچھنا

واقعہ طویل ہے کتب تفسیر میں اس واقعہ کی تفصیل دیکھ لیں ، یہاں اس واقعہ کی طرف صرف ہم اشارہ کرتے ہوئے یہ بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہمیں صبر سے متعلق کیا پیغام ملتا ہے ،سب سے پہلا سبق تو یہ ہیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں صبر وتحمل کی ضرورت ہوتی ہے ،لیکن علم کے حصول میں بطور خاص صبر وتحمل اور برداشت کی شدید ضرورت ہوتی ہے ،علم کی راہ میں سب سے بڑا صبر یہ ہیکہ شاگرد اپنے استاد کی مخالفت سے بچتا رہے چاہے شاگرد کی طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو،حصول علم کے دوران یہی چیز اکثر اوقات رکاوٹ بنتی ہیکہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ شباب پر ہوتا ہے پھر اچانک یہ تسلسل ختم ہو جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہوتی ہیکہ استاد کے احکامات وقوانین واصول پر عمل کرنا شاگرد پر شاق گزرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو شاگردی کے دائرہ سے خارج کرلیتا ہے۔

اس لئے طالب علم کو چاہیے کہ وہ حصول علم کے آغاز پر ہی یہ تہیہ اور عزم کرلے کہ

میں تکمیل علم وفن تک اپنے استاد کے احکامات پرعمل پیرا رہوں گا اور مخالفت کی جرات نہیں کروں گا۔

ایک اور سبق یہاں یہ بھی ملتاہیکہ حصول علم کی اس عظیم راہ میں صبر کرنے کی قوت کمزور انسان میں عموماً نہیں ہوتی جب تک کہ مشیت الٰہی ساتھ نہ ہواسی لئے صبر کے معاملہ میں انشاءاللہ کا کہنا ضروری ہےاسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اگراللہ تعالیٰ نے چاہا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی ایک نصیحت

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام جنہیں اللہ تعالی کی طرف سے اختیار دیا گیا تھا کہ وہ نبوت اور حکمت میں سے جن کو چاہیں اختیار کرلیں، آپؑ نے حکمت کواختیار کیااس لئے کہ نبوت بڑی ذمہ داری کا منصب ہےاسی لئے حضرت لقمان کے ساتھ لفظ حکیم استعمال کیا جاتا ہےحضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت بھری باتوں اور نصیحتوں کوقرآن مجید میں قیامت تک کیلئے محفوظ کردیا گیاہے، آپ علیہ السلام کی نصیحتوں میں ایک نصیحت جوانہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی یہ ہے کہ **واصبر علی ماصابک ان ذالک لمن عزم الامور(۱۷ لقمان)** تجھ پرجو مصیبت واقع ہواس پرصبر کیا کر یہ صبر کرنا ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

آدمی کے عقلمند اور دانا ہونے کی یہی علامت ہے کہ آدمی مصائب وآفات میں صبر کے دامن کومضبوطی سے تھام لے جولوگ ایسے موقعوں پرصبر سے کام لیتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں بلند ہمت لوگ ہیں ہمت صرف اس کا نام نہیں کہ آدمی دشمن پرحملہ کردے بلکہ مصائب وشدائد، رنج والم، حیرانی وپریشانی، دکھ ودرد، بیماری وتنگدستی معذوری ومجبوری، ناکامی ونامرادی، یتیمی وبیسری، غلامی واسیری کے زمانہ میں ہمت سے کام لے اور صبر کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے صبر کے دن ختم ہوجائیں، اور حالات پلٹ جائیں، یہی مردمومن کے صابر ہونے کی علامت ہے۔

صبر کی تلقین بھی کیجئے

والعصر ان الانسان لفی خسر الاالذین آمنو اوعملو االصلحت وتواصوا بالحق وتوا صوابالصبر (العصر)

قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایک دوسرے کوحق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کوصبر وتحمل کی فہمائش کرتے رہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگرلوگ صرف اسی سورت میں تدبر کرلیتے تو یہی انکے لئے کافی تھی، یہ سورت ایک جامع سورت ہے، اس سورت میں اللہ تعالی نے زمانے کی قسم کھائی اور انسان کے خسارے میں ہونے کو بتلایا پھر چار قسم کے اعمال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات بتلائی کہ جس شخص نے ان چار چیزوں کواختیار کرلیا وہ خسارے اور نقصان میں نہیں ہے (۱) ایمان (۲) اعمال صالحہ (۳) حق کی وصیت (۴) صبر کی وصیت، ان چار چیزوں میں آخری چیز ہمارے موضوع سے متعلق ہے وہ یہ کہ انسان اپنے ایمان، اعمال صالحہ اورلوگوں کوحق کی وصیت وتلقین کے ساتھ ساتھ صبر کی بھی تلقین کرتا رہے۔

اس سورت سے یہ بات سامنے آگئی کہ اسلام میں صرف صبر کرنا مطلوب نہیں بلکہ مومن ومسلمان کی یہ ذمہ داری ہیکہ جہاں وہ خود صبر کرے وہیں دوسروں کوصبر کی تلقین وفہمائش بھی کرتا رہے۔

یہاں اتنی بات اور کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق کی وصیت سے مراد یہ ہے کہ دین سے متعلق جوشبہات ہیں ان کو دور کردے اور صبر کی وصیت سے مراد نفسانی خواہشات کوچھوڑکر اچھے اعمال اختیار کرنے کی ہدایت دے، **تواصی بالحق اور تواصی بالصبر** ان دونوں میں امر بالمعروف بھلائی کا حکم دینا بھی آگیا اور نہی عن المنکر برائیوں سے روکنا بھی آگیا، ایمان اور اعمال صالحہ سے اپنی نجات اورحق کی وصیت اور صبر کی وصیت سے اپنے

متعلقین کی نجات ہوگی۔

صدمہ کے شروع میں صبر

عموماً یہی دیکھا گیا کہ جب کسی کے رشتہ دار کا انتقال ہوگیا تو جی بھرکر واویلا مچایا جاتا ہے، غم وغصہ میں بے قابو ہوکر اپنا حلیہ بدل لیا جاتا ہے، آپے سے باہر ہوکر طرح طرح کے جملے اپنی زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں اور جب بے صبری کے سارے حربے ختم ہوجاتے ہیں تو اب کہنے لگتا ہے کہ چلو کیا کریں گے صبر ہی کر لیتے ہیں! شریعت میں ایسا صبر مطلوب نہیں ہے، بلکہ صدمہ کے شروع ہی میں صبر کرنا مطلوب ہے، اسی لئے حدیث میں یوں وارد ہے،

عن ثابت قال سمعت انسا. الخ . یقول عن النبی ﷺ قال الصبر عندالصدمة الاولی (کتاب الجنائز بخاری) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یوں فرماتے سنا کہ صبر وہی ہے جو صدمہ کے شروع میں کیا جائے اگر بے صبری میں ساری بھڑاس اتارلی جائے، جتنی باتیں کہہ کہہ کر چیخ وپکار کرنا ہے کرلیں اور پھر بعد میں یہ کہیں کہ صبر کریں گے یہ صبر نہیں ہے، صبر تو وہ ہے جو مصیبت، آفت، رنج وملال کے پہنچتے ہی برداشت کرلیا جائے اور خدائی فیصلے پر راضی ہوجائیں، اور طبعی طور پر جو رنج ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل میں ملال ہو اور آنکھوں میں آنسو ہوں یہ صبر کے منافی نہیں ہے، مصیبت کے وقت کپڑے پھاڑ لینا، نوحہ کرنا، چیخ وپکار کرنا، واویلا مچانا، شکوہ شکایت کے جملے کہہ دینا، لعنت ملامت کرنا یہ صبر کے منافی ہے۔ دل میں رنج کا پیدا ہونا اور آنکھوں میں آنسو کا بہہ جانا صبر کے خلاف نہیں یہی وجہ ہیکہ حضور ﷺ نے رنج وملال کے موقع پر فرمایا **تدمع العین و یحزن القلب** آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل رنج کرتا ہے (بخاری عن ابن عمر کتاب الجنائز)

حضور ﷺ نے ان لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائی ہے جو اپنے عزیز ترین فرد کی وفات پر صبر کریں چنانچہ بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہیٔ

عن ابی ھریرہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ مالعبدی المومن عندی

جزاء اذاقبضت صفیه من اهل الدنیاثم احتسبه الاالجنه.(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے میرے اس مومن بندے کی میرے پاس جنت ہی جزا ہے جس کے عزیز ترین فرد کو اہل دنیا میں سے میں اٹھالوں اور وہ اس پر میری خاطر صبر کرے۔

ایک اورحدیث قدسی سے صدمہ کے شروع میں صبر کرنے کا اجروثواب بتایا گیا ہے،

عن ابی امامةؓ عن النبی ﷺ قال یقول الله تبارک وتعالی یاابن آدم ان صبرت واحتسبت عندالصدمة الاولی لم ارض لک ثوابا دون الجنة.(ابن ماجه)

حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے اے آدم کے بیٹے !اگر تو نے صدمہ کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور اجروثواب کو پیش نظر رکھا تو میں تیرے لئے جنت سے کم اور اس کے سوا کسی اجروثواب پر راضی نہ ہوں گا۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صبر صدمہ کے شروع میں کرنا چاہیے اس لئے کہ کسی صدمے کا اثر حقیقت میں ابتداہی میں سب سے زیادہ ہوتا ہے کچھ دن گزرجانے پر تو طبعی طور سے غم اور صدمہ کا اثر خود بخود زائل ہوجاتا ہے اسی لئے صدمہ کے شروع میں صبر کرنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا، چونکہ جنت بہت بڑی نعمت ہے اس لئے اللہ تعالی اپنے اس بندے کو جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خاطر صبر کیا ایسی بڑی نعمت ہی سے اعزاز فرمائیں گے۔

صبر سے گناہ مٹتے ہیں

آدمی جب اپنی اولاد کو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں، اور دل غم والم میں ڈوب جاتا ہے، اولاد جب اپنے ماں باپ کو اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھتی ہے تو ماں کی ممتا اور باپ کی شفقتیں اسے یاد آنے لگتی ہیں اور وہ اولاد غم سے نڈھال ہوجاتی ہے، یہ غم فطری ہے دنیا

میں رنج وغم کا یہ سلسلہ تو حیات انسانی ہی سے چلا آرہا ہے، اور ہر ایک کی زندگی سے یہ سلسلہ جڑا رہا ہے ایسے موقعوں پر مومن ومسلمان کی شان اور اس کا یہ امتیاز ہوتا ہے کہ وہ صبر سے کام لیتا ہے، اور یہی صبر اس کے عام گناہوں اور کوتاہیوں کے مٹ جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جب اس دنیا سے جانے لگتا ہے تو وہ گناہوں سے بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ روایت اس حقیقت کو یوں ظاہر کرتی ہے،

عن ابی هريرةؓ ان رسول اللهﷺ قال مايزال المومن يصاب فی ولده وحامته حتی يلقی الله ليست له خطيئته(موطاامام مالک)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خداﷺ نے ارشاد فرمایا مومن کو اپنی اولاد اور اپنے اعزہ کے سلسلہ میں رنج ومصیبت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضورﷺ کا ایک تعزیتی خط حضرت معاذؓ کے نام

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول خداﷺ نے انہیں تعزیت نامہ لکھوایا: اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے، اللہ کے رسول محمدﷺ کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک: میں اس خدا کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بعد ازاں، خدا تمہیں اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہمیں اور تمہیں (اپنی نعمتوں پر) شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے اموال اور ہمارے اہل وعیال سب خدا کے مبارک ومرغوب عطیات ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں خدا نے اس سے عیش وسرور کے ساتھ نفع اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کا موقع عنایت فرمایا، اور اسی نے اسے تم سے بڑے اجر کے صلہ میں واپس لے لیا، خاص نوازش، رحمت اور ہدایت (کی بشارت) ہے اگر تم نے اجروثواب کے پیش نظر صبر کیا، پس صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے تابی وبے صبری

تمہارے اجر وثواب کو غارت کر دے پھر تمہیں ندامت ہو۔ جان رکھو کہ کوئی مرجانے والا بے صبری و بے تابی سے لوٹنے کا نہیں، اور اس سے رنج وغم کبھی دور ہوتا ہے۔ اور جو کچھ واقع ہونے کو ہوتا ہے حقیقت میں وہ واقع ہو چکا ہوتا ہے۔

صبر روشنی ہے

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا طہارت آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے سبحان اللہ والحمد للہ جو کچھ آسمان وزمیں کے درمیان ہے اس کو بھر دیتے ہیں، نماز نور ہے، صدقہ دلیل و برہان ہے، صبر روشنی ہے اور قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت ہے، ہر شخص صبح اٹھتا ہے پھر اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے آزاد کرتا ہے یا اسے تباہ و ہلاک کرتا ہے۔ (مسلم)

اس حدیث کا ہر ہر جز تفصیل طلب ہے اور تشریح کا متقاضی ہے مگر ہم صرف اس حدیث کے ایک جز کی تشریح کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے، یعنی صبر روشنی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تاریکی اور اندھیرے میں بھٹک رہا ہے جو صبر کی صفت سے بے خبر ہے، اور جو شخص صبر کی اس صفت سے آشنا ہے اور صابر بن کر زندگی گزار رہا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس کے ہاتھ میں چراغ ہے روشنی ہے اس روشنی میں اس کے بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں۔

صبر بڑی دولت ہے

وہ شخص جو صابر ہے اور صبر جیسی صفت کا حامل ہے وہ اس دنیا کا دولتمند انسان ہے وہ ایک ایسی دولت کا مالک بن گیا ہے جو سب سے بہتر اور عمدہ ہے، صبر ایک ایسی دولت ہے جس کے ذریعہ انسان اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں اور قدریں حاصل کر لیتا ہے، صبر ایک

ایسی دولت ہے جس کے ذریعہ انسان خدا اور اس کی مخلوق کا محبوب ترین انسان بن جاتا ہے، صبر وہ اعلیٰ دولت ہے جس کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ تہذیب وتمدن کا ماحول انسان پالیتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ صبر سے بہتر اور زیادہ وسیع نعمت کسی کو نہیں دی گئی، چنانچہ بخاری کی یہ روایت ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ طلب کیا تو آپ ﷺ نے انہیں عطا فرمایا انہوں نے پھر طلب کیا تو آپ ﷺ نے انہیں عطا فرمایا انہوں نے پھر طلب کیا تو آپ ﷺ نے انہیں عطا فرمایا یہاں تک کہ جو کچھ آپ ﷺ کے پاس تھا ختم ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو مال بھی ہوگا میں تم سے بچا کر اسے نہیں رکھوں گا اور جو کوئی سوال سے بچنا چاہتا ہے خدا اسے مانگنے کی ذلت سے بچا دیتا ہے اور جو کوئی استغناء چاہتا ہے خدا اسے مستغنی کر دیتا ہے اور جو شخص صبر اختیار کرنا چاہتا ہے خدا اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی کو کوئی عطا صبر سے بہتر اور زیادہ وسیع نہیں بخشی گئی

صابر اپنی مدد آپ کرنے کا اہل ہوتا ہے، صبر سے ذہن میں وسعت وکشادگی پیدا ہوتی ہے، صبر سے ہر طرح کی تنگی دور ہو جاتی ہے ہمیں وسائل کی کمی اور مسائل کی کثرت کے موقعوں پر صبر سے کام لینا چاہیئے، ان مادی ضروریات کو اتنی اہمیت نہیں دینا چاہئے کہ اخلاقی قدریں ہی باقی نہ رہیں۔

دشمن کے مقابلہ میں صبر

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ان ایام میں جن میں دشمن سے آپ ﷺ کا سامنا پیش آتا تھا آپ نے انتظار فرمایا یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطاب فرمایا اے لوگو! دشمن سے مدبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور خدا سے عافیت کے طالب رہو، پھر جب ان سے مدبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو (ثابت قدم رہو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے پھر نبی کریم ﷺ

نے کھڑے ہو کر فرمایا اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے، بادل کو چلانے والے اور جتھوں کو بھگانے والے انہیں بھگا دے اور ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ (مسلم)

اس حدیث سے ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ اسلام میں جنگ بذات خود مقصود نہیں ہے کہ ہم بار بار اس بات کی تمنا کریں کہ دشمن ہمارے مقابلہ کیلئے آجائے اور ہم میدان میں اتر جائیں، اسلام ازخود جنگ کے آغاز کرنے اور لڑنے کی تمنا کرنے کی تربیت نہیں دیتا، بلکہ اسلام تو امن و عافیت والا مذہب ہے وہ امن و عافیت کو پسند کرتا ہے اس لئے اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت طلب کرتے رہیں لیکن اگر دشمن حق کو مٹائے، اہل باطل کی حمایت کرنے اور اہل حق کی مخالفت کرنے کیلئے میدان میں اتر جاتا ہے تو پھر اسلام کی تعلیم یہ ہوگی کہ ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے، میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کی جائے، اور جو تکلیف بھی اس راہ میں اس موقع پر آجائے اس کو ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کیا جائے دشمن کے مقابلہ میں مومن و مسلمان کو صبر و ثابت قدمی سے کام لینا چاہیئے یہی اسوہ ہے پیغمبروں اور صحابہ ءکرامؓ کا۔

غصہ کی حالت میں صبر

جب آدمی کو کسی کی ناموافق بات یا نامناسب کام پر غصہ آجاتا ہے تو وہ غصہ کی حالت میں بے قابو ہو جاتا ہے اور اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے جائز و ناجائز اور حق و ناحق سب کو بھول جاتا ہے اس کے ذہن میں صرف یہی دھن ہوتی ہے کہ وہ ناموافق بات اور کام کا ردعمل کرے چاہے ردعمل کرتے ہوئے وہ خود نامناسب کام کر بیٹھے، دوسرے کی غلطی کو دور کرنے کیلئے خود کا غلط قدم اٹھانا بھی تو غلطی ہی ہے، مومن و مسلمان کا ایسے موقعوں پر یہی کمال ہوتا ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں بھی حق و انصاف کا لحاظ رکھتا ہے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرتا جو نامناسب اور ایمان کے منافی ہو، اس لئے غصہ کے آتے ہی انتقام لینے پر آمادہ و تیار نہیں ہو جانا چاہئے، اگرچہ کہ حدود میں رہتے ہوئے انتقام کی

اجازت تو اسلام میں ہے لیکن اس سے بڑھ کرفضیلت یہ ہے کہ وہ آدمی معاف ہی کردے،غم وغصہ کی حالت میں بھی مومن ومسلمان کواس احساس کے ساتھ جینا ہے کہ اللہ کا غلام اور بندہ ہے اس دنیا میں اسے اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی نہیں کرنا ہے بلکہ حکم کا بندہ بنکر جینا ہے اور خوشی وراحت ،اقتدار کی حالت اور عہد یدار ہونے کی حیثیت میں بھی اس کو یہ سمجھ کر زندگی گزارنا ہے کہ سارا اقتدارتو اللہ تعالی ہی کا ہے،مومن کسی بھی عہدہ اوراقتدار میں ہواس کواقتدار کا نشہ نہیں آنا چاہیے بلکہ ایسے موقعوں پر میوہ سے پر شاخ کی طرح جھک جانا چاہے،اورذمہ داری کا احساس اورحق وانصاف کا جذبہ ابھر جانا چاہے حضور ﷺ کا یہ فرمان مبارک ایسے موقعوں پر رہنما ثابت ہوگا۔ عن انس ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ثلث من اخلاق الایمان من اذا غضب لم یدخلہ غضبہ فی باطل ومن اذا رضی لم یخرجہ رضاہ من حق ومن اذا قدرلم یتعاط مالیس لہ (المعجم الصغیر للطبرانی) حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین باتوں کا تعلق ایمانی اخلاق سے ہے جب کوئی شخص غصہ میں ہوتو اپنے غصہ کے زیر اثر باطل میں نہ پڑ جائے اور جب خوش ہوتو اس کی خوشی اسے حق سے بے گانہ اور برگشتہ نہ کردے اور جب اسے قدرت واقتدار حاصل ہوتو وہ چیز نہ لے جس پر اس کا کوئی حق نہ پہنچتا ہو۔ کسی نے حضرت لقمان علیہ السلام سے پوچھا سب سے زیادہ صابر کون شخص ہے؟ فرمایا جس کے صبر کے پیچھے ایذا نہ ہو۔

مصیبت کا اظہار نہ کریں

جب کوئی مصیبت اور تکلیف آدمی کو پہنچتی ہے تو عموماً آدمی اس مصیبت اور تکلیف کا اظہار اپنے دوست واحباب اور متعلقین سے کرتا ہے اور کبھی کبھی آدمی اپنی مصیبت اور تکلیف پر شکوہ شکایت بھی کردیتا ہے، صبر کا اعلی درجہ یہ ہے کہ کسی کے سامنے اپنی مصیبت کا اظہار بھی نہ کیا جائے ،اور جو کچھ تکلیف پہنچی ہے اس پر صبر کرلیا جائے طبرانی

کی روایت کردہ اس حدیث سے یہی سبق ملتا ہے، **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **رفعه من اصيب بمصيبته فی ماله اوفی نفسه فكتمها ولم يشكها الى الناس كان حقا على الله ان يغفر له**، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔

اس حدیث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جب مصیبت اور تکلیف آتی ہے وہی مصیبت ہمارے لئے نعمت بن جاتی ہے اسلئے کہ اس مصیبت پر ہم صبر کرتے ہیں، کسی کے سامنے شکوہ شکایت نہیں کرتے اور نہ اس مصیبت کا اظہار کرتے ہیں تو نتیجہ میں ہماری مغفرت اور بخشش ہو جاتی ہے، اور آدمی کی مغفرت ہو جانا کتنی بڑی نعمت ہے یہ اس وقت معلوم ومحسوس ہوگا کہ جب گناہوں کی پاداش میں قیامت کے دن سزا کا فیصلہ سنایا جائے گا، بہر حال ہم اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کو ذریعہ بخشش ومغفرت بنا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ وہ یقین کامل نصیب فرمائے جو اسلام میں مطلوب ہے۔

صبر کے مختلف نام

اگر آدمی دولت و جائیداد کی بہتات کی حالت میں غرور گھمنڈ اور بخل سے پرہیز کرتا ہے تو اس قسم کے صبر کو ضبط نفس کہتے ہیں اگر جنگ کے میدان یا اس قسم کے خطرناک حالات میں ثابت قدم رہتا ہے تو اس قسم کے صبر کو شجاعت کہتے ہیں، اگر غصہ کی حالت میں بے قابو ہونے کے بجائے صبر سے کام لیتا ہے تو اس قسم کے صبر کو حلم (بردباری) کہا جاتا ہے، اگر زندگی میں پیش آنے والے حادثات پر صبر کرتا ہے تو اس قسم کے صبر کو وسعت قلبی (کشادہ دلی) کہتے ہیں، اگر دوسروں کی خامیوں اور ان کے عیبوں کا علم ہو اور باوجود علم ہونے کے دوسروں کے سامنے ان کے عیبوں اور خامیوں کا تذکرہ نہ کرے اور بیان کرنے سے پرہیز کرے تو اس قسم کے صبر کو شرافت کہتے ہیں،

اگرضرورت کے بقدر روزی مل جائے اور اسی پر دل سے راضی ہوجائے اور اپنی اس حالت پر افسوس نہ کرے تو اس قسم کے صبر کو قناعت کہتے ہیں ، اگر گناہوں کا ماحول مل جائے اور نافرمانی کی راہیں سامنے آجائیں اور باوجود طاقت وقوت کے ان گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے اور پرہیز کرے تو اس قسم کے صبر کو تقوی کہتے ہیں، اگر ناجائز خواہشات کے مقابلہ میں اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرے تو اس قسم کے صبر کو عفت کہتے ہیں، اگر مصیبتوں کو برداشت کرلے تو اس کو صبر ہی کہتے ہیں۔

صبر صحابہ کرام واسلاف کی نظر میں

(۱) ہر چیز کے ثواب کا اندازہ ہے مگر صبر کے ثواب کا کوئی اندازہ نہیں (حضرت ابوبکرؓ)

(۲) لالچ کرنا مفلسی، بے غرض ہونا امیری اور بدلہ نہ چاہنا صبر ہے (حضرت عمرؓ)

(۳) ہر ایک چیز کی زکواۃ ہے اور عقل کی زکوۃ یہ ہیکہ نادانوں کی بات پر تحمل کیا جائے (حضرت علیؓ)

(۴) مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے کرو اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو (حضرت علیؓ)

(۵) مصائب کو برداشت کرو کیونکہ یہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے بھی آسکتے ہیں (امام ابوحنیفہؒ)

(۶) مصیبت ہلاکت کیلئے نہیں بلکہ امتحان کیلئے آتی ہے (امام جعفر صادقؒ)

(۷) رزق کی وہ فراخی جس پر شکر نہ کیا جائے اور معاش کی وہ تنگی جس پر صبر نہ کیا جائے فتنہ بن جاتی ہے (عبدالقادر جیلانی)

(۸) انسان کو چار چیزیں دوسروں سے بلند کرتی ہیں، حلم، علم، کرم اور خوش اخلاقی (بایزید بسطامیؒ)

(۹) وہ تلخی جس کا انجام شیرینی ہو صبر ہے (شیخ معروف کرخیؒ)

(۱۰) جاہلوں کے ساتھ صبر کے ساتھ پیش آنا عقلمندی ہے (ابوبکر وراقؒ)

(۱۱) صابر کی حقیقت مصیبت کے آنے کے بعد معلوم ہوتی ہے (یحیٰ معاذ الرازیؒ)

(۱۲) دنیا کی مصیبتوں پر برداشت کر کیوں کہ یہ تیری ترقی کا سبب بنے گی (حضرت

مجدد الف ثانیؒ)

(۱۳) جب ظلم ہو رہا ہو تو شریعت میں دو باتیں ہیں اگر قوت ہو تو مقابلہ کرے اور اگر کمزور ہو تو صبر کریں۔(حکیم الامت)

(۱۴) لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کرنا سب سے بڑی نیکی ہے(مسلم بن قتیبہؒ)

(۱۵) جو مرد عورت کی تکلیف پر صبر کرے اللہ تعالی اسے حضرت ایوبؑ جیسا صبر عطا فرماتے ہیں اور جو عورت خاوند کے ظلم پر صبر کرے اللہ تعالی اسے حضرت آسیہ جیسا ثواب عطا فرماتے ہیں(کعب الاحبار)

(۱۶) مصیبت کی شکایت سے پرہیز کرو اس لئے کہ اس سے تمہارا دشمن خوش ہوتا ہے اور دوست غمگین(محمد بن حنیفہؒ)